جدید اشاعت

مسائل رمضان المبارک

یعنی

تراویح، روزہ، اعتکاف،
صدقہ فطر، زکوۃ اور عیدین کے
ضروری اور اہم مسائل

مُرتّب

حضرت مولانا مفتی احمد مُمتاز صاحب دامت برکاتہم

تلمیذِ رشید

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

- مسائل تراویح اور تعدادِ رکعات ...... آٹھ یا بیس؟
- خواتین کا تراویح وغیرہ نمازوں کے لیے گھر سے نکلنے کا حکم
- تراویح میں خواتین کی امامت جائز نہیں
- زکوۃ کے اہم مسائل
- بھیک مانگنا اور دینا...... حرام ہے
- عید کی نماز کا طریقہ اور مسبوق کے مسائل



ناشر
تعمیرِ معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

societyrectifier@gmail.com

اس کتاب کی دستیابی کے لیے کراچی کے مکاتب سے رجوع کریں اور عوام الناس میں تقسیم کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔ 0333-2117851

فہرست

☆

☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

مُقَدِّمَة

نحمده و نصلى على رسوله الكريم اما بعد ! فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ......قال سبحانه وتعالیٰ شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن...... وقال تعالیٰ فى مقام آخر يا ايهاالذين اٰمنو كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون.

قرآنِ کریم اوراحادیثِ مبارکہ میں ماہِ رمضان اوراس میں روزہ رکھنےاوردوسری عبادات کی فضیلت کاانتہائی اہمیت سے ذکر ہےلیکن ان فضائل کا حاصل ہونا اس وقت ممکن ہے جب ہم ہرعمل اورعبادت مسائل کے مطابق ادا کریں،مسائل کالحاظ کئے بغیرعمل میں ثواب کے بجائے عذاب کا خطرہ ہےاس لئے رمضان المبارک سے متعلق عبادات اور اعمال کے ضروری اوراہم مسائل اس مختصرکتابچہ میں جمع کئے گئے تاکہ اس مبارک مہینہ کی تمام خیرو برکات حاصل ہوں ۔تراویح روزہ اوراعتکاف کااس مبارک مہینے سے جوتعلق ہےوہ بالکل ظاہرہے۔

چونکہ اکثر لوگ زکوۃ بھی اس مبارک مہینہ میں نکالتے ہیں،اورصدقہ فطراورعید کی نماز کاحکم بھی اس ماہ سے متصل ہےاس لئے ان کے مسائل بھی شامل کردیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ اس بضاعۃ مزجات کوقبول فرماکرتمام مسلمانوں کو یہ سارےاعمال مسائل کے مطابق اداکرنے کی توفیق عطافرمائے۔فقط

(مفتی)احمدممتاز
رئیس ومہتمم جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
مدنی کالونی ہاکس بے روڈ ماری پورکراچی

﴿مسائلِ صوم﴾

صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات چھوڑ دینے کو روزہ کہتے ہیں۔

روزہ ارکانِ اسلام کا ایک رکن ہے جسکی فرضیت قرآن وسنت ،اجماع امت سے ثابت ہے اسکا منکر کافر اور بلا عذر چھوڑنے والا سخت گنہگار اور فاسق ہے

نابالغ پر روزہ فرض نہیں لیکن عادت ڈالنے کے لیے قریب البلوغ بچوں کو روزہ رکھوانے اور نماز پڑھوانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نیت کے مسائل :

مسئلہ ۱: نیت دل کے ارادے کا نام ہے زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں عوام میں نیت کے جو الفاظ مشہور ہیں (وبصوم غد.........) یہ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا ان الفاظ کو ثابت سمجھ کر پڑھنا بدعت ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۵،ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۲ : صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کل وقت کے نصف کو نصف النہارِ شرعی کہا جاتا ہے اگر کوئی شخص رمضان، نذر معین یا نفل روزہ رکھنا چاہتا ہے تو افضل یہ ہے کہ رات سے نیت کرے اگر رات سے نیت نہ کی تو نصف النہار شرعی سے پہلے پہلے بھی نیت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۵،ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۳ : اگر کسی نے رمضان، نذر معین یا نفل میں تعین کے بغیر صرف روزہ کی نیت کر لی مثلاً یہ کہہ دیا کہ آج میرا روزہ ہے یا نفل روزہ کی نیت کی تو یہ بھی جائز ہے، رمضان ہونے کی صورت میں رمضان اور نذر معین ہونے کی صورت میں نذر کا روزہ شمار ہوگا۔

ان تینوں قسم کے روزوں کے علاوہ جتنی بھی قسمیں ہیں ان میں روزہ کی متعین طور پر نیت کرنا اور صبح

صادق سے پہلے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، ورنہ روزہ نہ ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۲۶، ۲۲۸، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ٤ : اگر رات کو روزہ کی نیت کرلی تو صبح صادق سے پہلے تک نیت بدلنے کا اختیار ہے چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے، صبح صادق کے بعد کسی بھی روزہ کی نیت بدلنا جائز نہیں، لہٰذا اگر کسی نے پختہ اِرادہ کرلیا کہ روزہ نہیں رکھنا پھر تجدیدِ نیت کے بغیر یونہی بھوکا پیاسا دن گزار دیا تو اس کا روزہ نہیں ہوا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۵، ط: رشیدیہ)

مفسداتِ روزہ

مسئلہ۱ : کسی نے زبردستی روزہ دار کے منہ میں کوئی کھانے کی چیز ڈال دی اور وہ حلق سے اتر گئی یا روزہ یاد تھا اور کلی کرتے ہوئے پانی بلاقصد حلق سے اتر گیا، ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲ : کنکر، پتھر یا مٹی وغیرہ ایسی چیز جو غذا، دوا یا لذت کے طور پر استعمال نہ کی جاتی ہو قصداً کھا پی لی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (المحیط البرہانی ۳/۳۵۳)

مسئلہ۳ : کان میں دوا یا تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں، البتہ غسل کے دوران پانی کان میں چلا جائے تو روزہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (المحیط البرہانی ۳/۳۴۷)

مسئلہ٤ : قے کی بہت سی صورتیں ہیں صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

ایک یہ کہ قصداً منہ بھر کر قے کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بے اختیار منہ بھر کر قے ہوئی پھر قصداً چنے کے برابر یا اس سے زیادہ لوٹائی ان دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ روزہ یاد ہو۔ صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

(الشامیۃ ۳/۴۵۰، ۴۵۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵ : دانتوں سے نکلے ہوئے خون کے حلق سے اترنے کی چار صورتیں ہیں :

(۱) خون تھوک پر غالب ہو۔ (۲) برابر ہو۔ (۳) اسکا مزہ حلق میں محسوس ہو۔ (۴) ان تینوں میں

سے کوئی بھی نہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا قضا لازم ہے کفارہ نہیں، اور آخری صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (الشامیۃ ۳/۴۲۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۶ : دانتوں میں پھنسے ہوئے کھانے کو اگر کوئی نگل گیا تو اگر چنے کے برابر یا اس سے زیادہ تھا تو روزہ فاسد ہو گیا، قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، اگر کم تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ البتہ اگر منہ سے باہر نکال کر پھر کھا لیا تو ہر صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ چاہے چنے کے برابر ہو یا نہ ہو۔ (الشامیۃ ۲/۱۷۹)

مسئلہ۷ : نکسیر پھوٹنے سے اگر خون ناک کے ذریعے حلق سے اتر جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (الفتاویٰ الخانیہ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۸ : روزہ میں ڈاکٹر سے دانت یا ڈاڑھ نکلوانا بوقتِ ضرورتِ شدیدہ جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔ اگر دوا یا خون حلق سے اتر جائے اور خون تھوک پر غالب ہو یا برابر ہو یا خون کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (الشامیۃ ۳/۴۲۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۹ : بھول کر کھا پی لیا یا جماع کر لیا یا احتلام ہو گیا یا نظرِ شہوت سے انزال ہو گیا یا تھوڑی سی قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹا البتہ اگر ان صورتوں میں کسی نے یہ گمان کیا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے اور پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۵۷، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۰ : سحری کرنے والا یہ سمجھا کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی اور سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی یا بادل یا غبار کی وجہ سے یہ سمجھ کر روزہ افطار کر لیا کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے حالانکہ ابھی دن باقی تھا ......ان دونوں صورتوں میں روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۵۷، ط: رشیدیہ)

مکروہاتِ روزہ

مسئلہ۱ : روزہ کی حالت میں تھوک نگلنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ منہ میں تھوک جمع کر

کے نگلنا صرف مکروہ ہے، عوام لاعلم ہونے کی وجہ سے ہر وقت تھوکتی رہتی ہے یہ لایعنی عمل ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۹، ۲۰۳ ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲ : بلاعذر زبان سے کوئی چیز چکھنا مکروہ ہے اگر کسی عذر سے چکھے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے کہ اگر سالن میں نمک کم وبیش ہوگیا تو بگڑ جائے گا تو زبان سے چکھنے میں کراہت نہیں۔(المحیط البرہانی ۳/ ۳۵۶)

مسئلہ۳ : گوند چبانا یا اور کوئی چیز منہ میں رکھ کر چبانا روزہ دار کے لیے مکروہ ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۹، ط: رشیدیہ)

مسئلہ٤ : کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرنا یا عورت کا مسی یا دنداسہ لگانا مکروہ ہے، اگر ان کا کوئی جزء حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۹، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵ : انجکشن لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا چاہے گوشت میں لگایا جائے یا نس میں البتہ روزہ کی حالت میں روزے کے اثرات میں تخفیف کے لیے طاقت کا انجکشن لگانا مکروہ ہے مگر روزہ پھر بھی فاسد نہیں ہوتا۔(بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۹، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ٦ : روزے دار کا روزے کی حالت میں خون دینے سے روزے پر کوئی فرق نہیں آتا البتہ اگر کمزوری اور ضعف کا خدشہ ہے تو مکروہ ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۹، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۷ : وضو کی ضرورت کے بغیر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، غسل کرنا، گیلا کپڑا بدن پر لپیٹنا بلاکراہت جائز ہے جبکہ مقصد صرف ٹھنڈک حاصل کرنا ہو بے صبری، پریشانی اور گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لیے یہ کام مکروہ ہے۔

(الشامیۃ ۳/ ۴۵۹، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۸ : عورت کا ہونٹوں پر سرخی، لوشن، تیل، ویسلین لگانا مکروہ ہے اگر انکا کوئی جزء حلق

سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔(احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۴)

مسئلہ۹ : عموماً خط کا لفافہ (جس پر گوند ہوتی ہے) بند کرنے کے لیے لوگ زبان کی تری استعمال کرتے ہیں۔اس عمل کے بعد اگر تھوک پھینک بھی دیا جائے تو بھی مکروہ ہے اور گوند کا کوئی جزء حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۹۹،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۱۰ : غیبت،چغلی،جھوٹ،بہتان تراشی،بیہودہ گوئی،گالی گلوچ،ایذاءرسانی اور گناہ کے تمام کاموں سے روزہ کا سخت نقصان ہوتا ہے۔حدیث کے مطابق ان گناہوں کی نحوست سے روزہ کا اجروثواب بالکل ہی غارت ہو جاتا ہے۔(الشامیۃ ۲/ ۴۲۸،ط:رشیدیہ)

کفارہ کے مسائل

مسئلہ ۱ : ایک شخص کو رمضان کا روزہ یاد تھا مگر پھر بھی ایسی چیز جو غذا یا دوا یا لذت کے طور پر استعمال کی جاتی ہے قصداً کھا پی لی یا صحبت کر لی تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس روزہ کی قضاء کے ساتھ کفارہ واجب ہوگا۔(بدائع الصنائع ۲/۲۵۲،ط:رشیدیہ جدید)

مسئلہ۲ : روزہ توڑنے سے کفارہ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ رمضان کا روزہ توڑ ڈالے، رمضان کے سوا اور کسی روزے کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(بدائع الصنائع ۲/ ۲۶۰،ط:رشیدیہ جدید)

مسئلہ۳ : کسی نے رمضان میں روزہ کی نیت ہی نہیں کی اور کھاتا پیتا رہا تو ایسے شخص پر اس روزے کا کفارہ واجب نہیں۔صرف قضا لازم ہے۔کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب نیت کر کے روزہ رکھے اور پھر توڑ دے۔(بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۸،ط:رشیدیہ جدید)

مسئلہ٤ : رمضان کے روزوں کا کفارہ یہ ہے کہ جو شخص روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو وہ دو مہینے روزے پے درپے رکھے اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو نئے سرے سے

روزے دوبارہ شروع کرے گا، البتہ جس شخص میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں اور موت سے پہلے طاقت کی امید بھی نہیں یا بیمار اور ضعیف ہے تو ایسا شخص ۶۰ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت دیدے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۵، ط: رشیدیہ، بدائع الصنائع ۲/۲۵۲، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ ۵ : اگر کفارہ کے روزے قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے رکھنا شروع کیے تو دو مہینے روزے رکھنا ہونگے، خواہ مہینے ۲۹، ۲۹ کے ہوں یا ۳۰، ۳۰ کے لیکن اگر درمیان مہینے سے شروع کیئے تو ۶۰ روزے پورے کرنا ضروری ہیں۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۵۱۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ٦ : صرف عورت کے لیے کفارہ کے روزوں میں خاص ایام (ماہواری) میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے، ایام کے اختتام پر دوبارہ نئے سرے سے ۶۰ روزے رکھنا ضروری نہیں بلکہ بقایا روزے مکمل کرے۔ (الشامیۃ ۳/ ۴۴۷، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۷ : اگر ایک ہی مسکین کو ہر روز صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت ۶۰ دن تک دی جائے تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، اسی طرح ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک دو وقت کھانا کھلایا تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، لیکن اگر اسے ایک دن میں ایک دن سے زیادہ کا غلہ یا قیمت دی جائے تو ایک دن کا صحیح ہوگا اور ایک دن سے جس قدر زیادہ دیا ہے اس کا کفارہ میں شمار نہ ہوگا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۵۱۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۸ : کفارے میں ایک مسکین کو ایک دن کے غلے کی مقدار یا اسکی قیمت سے کم دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۵۱۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۹ : اگر ایک رمضان کے روزے کئی دفعہ توڑے خواہ جماع ہی سے ہو تو ایک ہی کفارہ لازم آئے گا اسی طرح کئی رمضانوں کے روزے کھانے پینے کی وجہ سے توڑے تو بھی ایک ہی کفارہ لازم ہے البتہ دو یا زیادہ رمضانوں کے روزے جماع (ہمبستری) کی وجہ سے توڑے تو ہر

رمضان کیلئے مستقل کفارہ ادا کرنا ہوگا۔(احسن الفتاویٰ ۳/۴۳۴)

متفرق مسائل

مسئلہ۱ : بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے پیٹ بھر کر کھانا کھالے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۲،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۲ : ایک شخص کو بھول کر کچھ کھاتے پیتے دیکھا تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر روزے دار اس قدر کمزور اور لاغر ہے جس کے لئے روزہ پورا کرنا دشوار ہے تو یاد نہ دلانا بہتر ہے البتہ اگر قوی اور طاقتور ہے تو یاد دلانا واجب ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۲،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۳ : کسی قسم کی خوشبو خواہ وہ کتنی ہی تیز ہو، سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا اسی طرح اگر گرد وغبار، مکھی یا کسی قسم کا دھواں بے اختیار حلق میں اتر جائے یا دوا کوٹی اور اسکا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔(الشامیۃ ۳/۴۲۰،۴۲۱،ط:رشیدیہ)

مسئلہ٤ : سر میں تیل لگانے سے اور آنکھ میں سرمہ لگانے یا دوا ڈالنے سے روزے میں کوئی فرق نہیں آتا نہ ٹوٹتا ہے نہ ہی مکروہ ہوتا ہے اگرچہ حلق میں ذائقہ اور تھوک میں اس کا اثر بھی محسوس ہو جائے۔(الشامیۃ ۳/۴۲۱،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۵ : روزے کی حالت میں گفتگو کرتے ہوئے ہونٹ تھوک سے تر ہو گئے اسے زبان سے چاٹ لیا تو اس سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۳،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ٦ : افضل یہ ہے کہ افطار تر کھجور سے کرے، اگر میسر نہ ہو تو چھوارے سے کرے ورنہ پانی سے کرے، لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ افطار نمک سے سنت ہے یہ بے اصل بات ہے۔

(مشکوٰۃ ۱۷۵،ط:قدیمی)

مسئلہ۷ : روزے کی حالت میں بھی مسواک کرنا سنت ہے چاہے خشک ہو یا تر، میٹھی ہو یا کڑوی جس وقت بھی کرے جائز ہے اگر مسواک کا کوئی ریشہ حلق سے اتر گیا تو تب بھی روزے

میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۹،ط:رشیدیہ ، احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۵))

مسئلہ ۸: آج کل تھیلیوں میں خاص قسم کی مسواک ملتی ہیں جن کو پیک کرنے سے پہلے عطریات اور خوشبودار تیلوں میں ڈبویا جاتا ہے جسکے اثرات مسواک میں موجود ہوتے ہیں ایسی مسواک کا استعمال بھی روزے کی حالت میں جائز ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۹،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۹: ناک کی رطوبت سڑک کر حلق میں لے گیا یا بلغم اور منہ کی رال نگل گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۳،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۱۰: رمضان کے مہینے میں اگر کسی کا روزہ فاسد ہوگیا تو اس پر دن کا بقیہ حصہ بغیر کھائے پیئے روزہ داروں کی طرح گزارنا واجب ہے۔(خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۶۳،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۱۱: سحری کا وقت صبح صادق تک رہتا ہے اگر کسی نے صبح صادق سے پہلے اذان دی تو بھی سحری کھانا جائز ہے۔سحری بعض لوگ بہت جلدی کھا کر فارغ ہو جاتے ہیں ایسی جلدی بھی اگر چہ جائز ہے مگر اسکے دو نقصان ہیں ایک یہ کہ اس میں سنت کی فضیلت سے محرومی ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ آخری وقت میں سحری کی جائے ،دوسرے یہ کہ جلدی سحری کھانے والے فجر تک زیادہ وقت ہونے کی وجہ سے سو جاتے ہیں جسکی وجہ سے کتنوں کی نماز فوت ہو جاتی ہے ورنہ جماعت تو اکثر کی چلی ہی جاتی ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۰۰،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۱۲: روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں آدمی موجود ہو۔پس جو شخص عرب ممالک سے کراچی آئے تو اسے کراچی کے وقت کے مطابق افطار کرنا ہوگا۔احتراماً للوقت و موافقةً للمسلمين۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۳۷)

مسئلہ ۱۳: اگر آنسو یا پسینے کے ایک یا دو قطرے منہ میں جا کر حلق سے اتر جائیں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا ،نہ قضاء ہے نہ کفارہ ،البتہ اس سے زیادہ قطرے ہیں تو اگر پورے منہ میں نمکینی

محسوس کرے یا بہت سے آنسو منہ میں جمع کر کے ان کو نگل لے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔(الشامیۃ ۳/۴۳۴، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۱۴ : بارش کے قطرے اگر منہ میں جا کر حلق سے اتر جائیں تو روزہ فاسد ہو جائے گا، قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔(الشامیۃ ۳/۴۳۴، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۱۵ : روزہ کی حالت میں غرغرہ کرنا اور ناک میں زور سے پانی ڈالنا ممنوع ہے اس سے روزے کے ٹوٹ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اگر روزے کی حالت میں غسل فرض ہو جائے تو کلی کرے، ناک میں بھی پانی ڈالے مگر روزے میں غرغرہ نہ کرے نہ ہی ناک میں اوپر تک پانی چڑھائے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۹، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ۱۶ : زہریلی چیزیں مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ کے ڈس لینے سے نہ روزہ فاسد ہوتا ہے نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔(بدائع الصنائع ۲/۲۰۹، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ ۱۷ : نفل روزہ رکھ کر اگر از خود توڑ دیا جائے یا اتفاقاً ٹوٹ جائے تو صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔(بدائع الصنائع ۲/۲۶۰، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ ۱۸ : دمہ کے مریضوں کے لیے ایک خاص قسم کا پمپ ملتا ہے جسے انہیلر کہتے ہیں اگر بحالتِ روزہ اس کا استعمال کیا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

(الشامیۃ ۲/۳۹۵، ط: سعید)

مسئلہ ۱۹ : اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان پر بن آئے گی یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے اسی طرح اگر سانپ نے کاٹ لیا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔(المحیط البرہانی ۳/۳۵۹)

مسئلہ ۲۰ : کوئی سخت کام کرنے کی وجہ سے اتنی پیاس لگ گئی کہ ہلاکت کا ڈر ہو تو روزہ توڑ دینا درست ہے اور بعد میں صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں، لیکن قصداً بلا ضرورت ایسا کام کرنا گناہ

ہے البتہ اگر کوئی محتاج ہو اور نفقہ کا انتظام کرنے کے لیے کوئی سخت کام کرنا پڑے تو گنہگار بھی نہ ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۲، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ۲۱: حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو کوئی ایسی بات پیش آئی جس سے اپنی جان کا یا بچہ ضائع ہونے کا ڈر ہو تو روزہ توڑ دینا درست ہے۔ بعد میں صرف قضا کرے کفارہ لازم نہیں۔ (بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۰، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ۲۲: عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کی اچانک طبیعت خراب ہو جائے چاہے وہ پیٹ کے درد کی صورت میں ہو یا پیاس سے نڈھال ہونے کی صورت میں یا کسی بھی اور صورت میں تو ایسا شخص شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ روزہ توڑا جائے یا نہیں تو بہتر صورت یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز کھا پی لے جو غذا، دوا یا لذت کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو نہ ہی پی جاتی ہو، مثلاً مٹی، کاغذ وغیرہ تو اس صورت میں یقیناً صرف روزہ کی قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں۔ (المحیط البرہانی ۳/ ۳۵۳)

مسئلہ۲۳: اگر کوئی مسافر سفر میں ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے بعد میں اس کی قضا رکھ لے، البتہ اگر مسافر کو روزہ سے کوئی تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے البتہ اگر راستہ میں روزہ کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

(الشامیۃ ۳/ ۴۶۲، ۴۶۵، ۴۶۶، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲۴: اگر کوئی ایسا بیمار ہے کہ روزہ سے نقصان ہوتا ہے اور ڈر ہے کہ روزہ رکھے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں ٹھیک ہوگی یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھے جب صحت مند ہو جائے تو اسکی قضا رکھ لے۔ البتہ فقط اپنے دل سے ایسا خیال کر لینے سے روزہ چھوڑنا ناجائز ہے، جب کوئی مسلمان دیندار حکیم، طبیب کہہ دے کہ روزہ سے تم کو نقصان ہوگا تو چھوڑ دے۔

(بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۵، ط: رشیدیہ جدید)

مسئلہ۲۵: اگر حکیم یا ڈاکٹر کافر ہے یا شرع کا پابند نہیں ہے تو اسکی بات کا اعتبار نہیں، فقط

اسکے کہنے سے روزہ نہ چھوڑے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۲۰۷،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۲۶ : اگر حکیم نے کچھ نہیں کہا لیکن خود اپنا تجربہ ہے اور کچھ ایسی نشانیاں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے دل گواہی دیتا ہے کہ روزہ نقصان کرے گا تو روزہ چھوڑے اگر خود تجربہ نہ ہو تو فقط خیال کا اعتبار نہیں۔(الشامیۃ ۳/ ۴۶۴،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۲۷ : اگر بیماری سے اچھا ہو گیا لیکن ابھی ضعف باقی ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔(الشامیۃ ۳/ ۴۶۴،ط:رشیدیہ)

فدیہ کے مسائل

مسئلہ۱ : جو شخص اتنا ضعیف العمر ہو کہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا یا ایسا بیمار ہو کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی آئندہ مستقبل میں صحت کی امید ہے تو ایسا شخص روزے نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کے برابر غلہ دے دے یا غلہ کی قیمت دیدے شریعت میں اس کو فدیہ کہتے ہیں۔(المحیط البرہانی ۳/ ۳۶۱)

مسئلہ۲ : وہ شخص جو روزوں کا فدیہ دیتا رہا اگر مستقبل میں اللہ تعالیٰ نے صحت سے نوازا تو ان سب روزوں کی قضا رکھے گا اور جو فدیہ دیا تھا اسکا ثواب الگ ملے گا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۲۰۷،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۳ : اگر کسی شخص نے رمضان سے قبل ہی روزوں کا فدیہ ادا کر دیا تو ادا نہ ہو گا البتہ رمضان شروع ہونے کے بعد آئندہ ایام کا فدیہ ایک ساتھ دے سکتا ہے۔(الشامیۃ ۳/ ۴۷۲،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۴ : کئی روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا اور ایک روزے کا فدیہ کئی مساکین پر تقسیم کرنا، دونوں صورتیں جائز ہیں۔(احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۳۱)

☆☆☆

﴿مسائلِ تراویح﴾

احکام و مسائل

مسئلہ۱: تراویح کی کل ۲۰ رکعتیں ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہیں۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۱۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲: مردوں کے لیے مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے جبکہ عورتوں کے لیے جس طرح فرض نماز میں مسجد کی جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں اسی طرح تراویح کی نماز میں بھی جائز نہیں۔ بلکہ عورتوں کا گھر میں علیحدہ عورت کی اقتداء میں جماعت کروانا بھی مکروہ ہے اس لیے خواتین کو اپنے گھروں میں انفرادی طور پر تراویح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۱۶، ط: رشیدیہ، الفتاویٰ الخانیۃ ۱/ ۲۳۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۳: مردوں کے لیے مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح، سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر محلے کی مسجد میں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھی جائے اور کوئی شخص گھر میں اکیلا پڑھ لے تو گنہگار نہ ہوگا لیکن اگر تمام محلّہ والے جماعت سے نہ پڑھیں تو سب کو سنت مؤکدہ کو ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/ ۲۳۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۴: ۲۰ رکعت تراویح دس سلاموں کے ساتھ مسنون ہے یعنی دو، دو رکعتوں کی نیت کرے اور ہر چار رکعتوں کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنا جس کو ترویحہ کہا جاتا ہے مستحب ہے اس دوران خاموش رہنا، قرآنِ مجید پڑھنا، تسبیح پڑھنا، اکیلے نفل پڑھنا سب جائز ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۱۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵: فرض پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت جائز نہیں۔فرض مسجد میں جماعت سے پڑھ کر مسجد سے باہر کسی جگہ تراویح کی جماعت کرانا جائز ہے۔

(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/ ۲۳۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ٦: ڈاڑھی منڈانا اور ایک مشت سے کم کرانا بالاتفاق حرام ہے بلکہ علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے لہٰذا ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا ناجائز اور گناہ ہے۔(الشامیۃ ۳/۳۵٦، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۷: پورا مہینہ تراویح کی نماز میں ایک مرتبہ قرآنِ مجید ختم کرنا سنت ہے۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۱۷، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۸: کھڑے ہونے کی طاقت ہوتے ہوئے بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے بعض لوگ رکعت کے شروع سے شریک نہیں ہوتے، جب امام پہلی رکعت میں رکوع میں جانے لگتا ہے تو شریک ہوجاتے ہیں ایسا کرنا مکروہ اور بری بات ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۱۸، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۹: ایک شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ تراویح کی نماز ہورہی تھی تو اب یہ شخص پہلے عشاء کے فرض اور سنتِ مؤکدہ ادا کرے پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے اور آخر میں جماعت کے ساتھ وتر پڑھنے کے بعد بقیہ تراویح ادا کرے۔(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/۲۳۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۰: جس طرح فرض نماز میں نابالغ کی امامت جائز نہیں اسی طرح تراویح کی نماز میں بھی نابالغ کی امامت جائز نہیں۔(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/۲۴۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۱: فرائض وتراویح دونوں میں دوسورتوں کے درمیان میں بسم اللہ....... پڑھنا افضل ہے قراءت خواہ جہری ہو یا سری بہرکیف بسم اللہ....آہستہ پڑھے اس میں جہر خلافِ سنت ہے چونکہ تسمیہ قرآنِ کریم کا جزء ہے اس لیے تراویح میں کسی بھی ایک سورت کے ساتھ بلند آواز سے ضرور پڑھے تاکہ قرآن مکمل ہوجائے۔(المحیط البرہانی ۲/۴۲)

مسئلہ۱۲: اگر تراویح بھول کر چار رکعت پڑھ لیں تو اگر دوسری رکعت کا قعدہ کیا ہے تو چار رکعات تراویح ہوگئیں، اس صورت میں سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔ اگر دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھے تو دو رکعتیں (بعد والی) ہوگئیں اور پہلی دو رکعتوں کا اعادہ کریں اور ان میں پڑھے ہوئے

قرآن مجید کو بھی لوٹائیں نیز اس صورت میں سجدہ سہو بھی واجب ہے۔

(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/۲۴۰، ط: رشیدیہ)

قال الامام ابن عابدین رحمه الله تعالىٰ : (قوله ثم اختلفوا الخ) قال الرملى أقول على القولين يجب سجود السهو فتأمل اهـ قلت هذا فى السهو أما العمد فسيأ تى ان انجباره بالسجود ضعيف. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق ۲/ ۶۸، ط :سعيد)

مسئلہ۱۳: اگر امام تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا سہواً تیسری چوتھی رکعت بھی پڑھ لی اور آخر میں سجدہ سہو نہیں کیا تو ایک رکعت بھی نہیں ہوئی، چاروں رکعتیں اور ان میں پڑھا گیا قرآن دہرانا ضروری ہے۔ (الفتاویٰ الخانیۃ ۱/۲۳۸، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۴: اگر دوسرے دن معلوم ہو جائے کہ تراویح کی کچھ رکعتیں فاسد ہوگئیں تھیں تو اب اس کی قضاء نہیں نہ تنہا نہ جماعت کے ساتھ، البتہ جو قرآن ان میں پڑھا گیا ہے قرآن مکمل کرنے کے لئے اس کا اعادہ دوسری رات کی تراویح میں کیا جائے۔

قال العلامة قاضى خان رحمه الله تعالىٰ : وان تذكره فى اليل انه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فاراد القضاء بنية التراويح يكره لانه زيادة على التراويح بنية التراويح......واذا فسد الشفع من التراويح وقد قرأ فيه هل يعتد بما قرأ قال بعضهم لا يعتد ليحصل الختم فى الصلوات الجائزة. (الفتاوىٰ الخانية ۱/۲۳۶، ۲۳۸، ط : رشيديه)

واذا تذكرو انه فسد عليهم شفع من اليلة الماضية فارادوا القضاء بنية التراويح يكره .(الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۱۷)

مسئلہ ۱۵: اگر سامع نے قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۰۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۶: اگر کسی رات بھول کر دو چار رکعات تراویح کی چھوٹ گئیں اور رات گزر گئی تو اب

انکی قضاء نہیں۔(الفتاویٰ الخانیۃ ۱/۲۳۶، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۷: فرض تنہا پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے، البتہ اگر ایسا کرلیا تو مقتدیوں کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۱۷، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۸: مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں مکروہ ہیں۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۶)

مسئلہ۱۹: فرائض میں فاسق کی امامت کا حکم یہ ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے، جماعت ترک نہ کی جائے مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں پڑھنا جائز نہیں۔ اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۷)

مسئلہ۲۰: اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۳)

مسئلہ۲۱: سامع کے لئے جگہ کی تعیین اصلاح نماز کے لئے ضروری ہے اس لئے یہ تعیین جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۳)

مسئلہ۲۲: نابالغ سامع بن سکتا ہے اور اس کو صف اول میں کھڑا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔
(احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۷)

مسئلہ۲۳: تراویح میں قرآن کریم اس قدر جلد اور تیز پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں یا حروف صحیح ادا نہ ہوں، سخت گناہ ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۱۷، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲۴: فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت جائز نہیں لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہونگے، اگر محلّہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں جماعت سے پڑھے۔ اگر جماعت میسر نہ ہو تو تنہا پڑھے۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۷)

مسئلہ۲۵: سامع کے لئے بھی اجرت لینا جائز نہیں۔(احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۶)

﴿بیس رکعات تراویح﴾

بعض لوگ تراویح صرف آٹھ رکعتیں سمجھتے ہیں اس لئے آٹھ رکعتیں پڑھ کر چلے جاتے ہیں اس سمجھ اور عمل کا کوئی ثبوت نہیں، ان کی یہ سمجھ اور یہ عمل تعامل اور اجماع کے خلاف اور مردود ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے بارہویں صدی کے آخر تک پوری امت کا اس پر عملاً اجماع رہا ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان صدیوں میں کوئی ایک مسجد بھی ایسی نہیں بتا سکتا جس میں بیس سے کم آٹھ یا دس رکعات تراویح ادا کی جاتی ہوں۔

تعجب ہے کہ اس دور میں ایسے عجیب لوگ بھی ہیں جو اس تعامل اور اجماع کا برسرِ عام انکار کرتے ہیں اور ذرا بھی ان کو احساس نہیں کہ یہ انکار انگلی سے سورج چھپانے کے مترادف ہے۔

ان لوگوں سے ہم نے بارہا یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان صدیوں میں کوئی ایک مسجد بتلا دو جس میں پورے رمضان آٹھ رکعات تراویح با جماعت پڑھی گئی ہوں۔ یہ لوگ نہ تو وہ مسجد بتلاتے ہیں اور نہ ہی تراویح کا بیس رکعات سے کم نہ ہونے پر تعامل اور اجماع کو مانتے ہیں، **فوا اسفیٰ علی فهمهم و انکارهم.**

یاد رکھئے! بیس رکعات تراویح کا ثبوت صحیح حدیث، اجماع اور عقل و درایت تینوں سے ہے

حدیث : عن ابن عباس رضی الله تعالى عنهما أن رسول الله ﷺ كان يصلى فی رمضان عشرين ركعة والوتر (مصنف ابن أبی شيبة ۲/ ۲۸٦ ،ط: طيب اكادمی ملتان)

اجماع : (۱) ملا علی القاری المکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : **لكن أجمع الصحابة على أن التراويح عشرون ركعة** (المرقاة ۳/ ۳۸۲، مکتبه رشيديه كوئٹه) یعنی بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہوا۔

(۲) وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر رضی الله تعالى عنه أخذ أبو حنيفة و

النووی و الشافعی و أحمد و الجمهور واختاره ابن عبد البر (اتحاف سادة المتقین ۳/ ۴۲۲،بحواله رسائل)

اور جو اجماع حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں ہوا اسی کو امام اعظم ابوحنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء نے اپنایا اور ابن عبدالبر نے بھی اسی کو اختیار کیا

(۳) و قال ابن عبد البر : و هو الصحیح عن أبی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة (عمدة القاری ۸/ ۲۴۶،دار الفکر بیروت)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اور یہ (بیس رکعت تراویح) صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے، کسی ایک صحابی کے اختلاف کے بغیر۔

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : قد ثبت أن أبی بن کعب رضی اللہ تعالی عنه کان یقوم بالناس عشرین رکعة و یوتر بثلاث فرأی أکثر من العلماء أن ذلک هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (فتاوی ابن تیمیه قدیم ۱/ ۱۸۶،جدید۳/ ۱۱۳،بحواله رسائل) یعنی چونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے لہٰذا اکثر علماء کے نزدیک سنت بھی یہی ہے کیونکہ انہوں نے یہ عمل مہاجرین اور انصار کے ہوتے ہوئے کیا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

سردست ان چار حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عقل ودرایت : اگر انصاف سے درج ذیل دو باتوں پر غور کیا جائے تو کسی صاحب عقل و درایت کے لئے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ تراویح کی مقدار آٹھ نہیں بلکہ آٹھ سے زیادہ ہے۔

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ”کان رسول الله ﷺ یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیره“ کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ کوشش فرماتے

تھے۔ چونکہ آٹھ کا معمول تو غیر رمضان میں بھی تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ رمضان میں آٹھ کے معمول میں اضافہ ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خود غیر مقلدین کے امام جناب نواب صدیق حسن خان صاحب نے اسی حدیث کے پیشِ نظر فرمایا : "**أن عددها كثير**" کہ تراویح کی مقدار وعدد زیادہ تھی۔

(۲) تقریباً پوری امت کے معتدل اور سنجیدہ حضرات کا اس نماز کے نام پر اتفاق ہے کہ اس کا نام تراویح ہے۔ امت کا اس نام پر اتفاق کر لینا بھی اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یہ نماز آٹھ رکعت نہیں بلکہ آٹھ سے زیادہ ہے کیونکہ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ میں چار رکعتیں ہوتی ہیں اور عربی کی جمع کے افراد کم از کم تین ہوتے ہیں، تو تراویح کے کم از کم افراد تین ترویحے ہیں جن کی کل رکعتیں بارہ بنتی ہیں جو آٹھ سے زیادہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ لفظ تراویح آٹھ پر منطبق اور فٹ نہیں آتا بلکہ آٹھ سے زیادہ رکعات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ میں اس کو تراویح نہیں کہتا تو ایسے ہٹ دھرم، سوادِ اعظم واجماع سے باغی کے لئے ہماری گذارشات ہیں ہی نہیں۔

حدیث پر اعتراض: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث کو صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ابراہیم بن عثمان راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب: ابراہیم کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف اور نا قابل استدلال کہنا دو (۲) وجہ سے صحیح نہیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لئے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں ایک حفظ اور دوسری عدالت، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے اسے "الحافظ" کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظے پر جرح نہیں کی۔ (رسائل ۱/۲۲۷)

ان کی امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”اعدل“ وغیرہ الفاظ سے تعدیل فرمائی ہے اوران کی تعدیل وتوثیق بہت وزن رکھتی ہے۔ ”تہذیب“ میں ہے:

قال یزید بن هارون : وكان على كتابته ايام كان قاضيا ما قضى على الناس رجل يعنى فى زمانه اعدل فى قضائه منه(تهذيب ۱ / ۱۴۵ ،از لمعات المصابيح)

سوال: امام شعبہ رحمہ اللہ تعالی نے اس پر جرح کی ہے جس سے اس کی عدالت ختم ہوئی۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: (۱) شعبہ رحمہ اللہ تعالی کی جرح کا علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالی نے مذاق اڑایا ہے۔

(۲) تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ تعالی ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ رحمہ اللہ تعالی سے شعبہ رحمہ اللہ تعالی روایت لیتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ تعالی نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا ہوگا۔ اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ درجہ صحیح میں ہوگا، اور اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا اور درجہ حسن میں آئے گا۔ (بحوالہ رسائل ۱/۲۲۷)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور مبارک سے لیکر آج تک امت کا بیس رکعت تراویح پر عمل ہے اور تلقی بالقبول صحتِ حدیث کی علامت ہے۔

مختصر تفصیل اس کی یہ ہے کہ عملی مسائل کا اصل دارومدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر امت بلانکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جس حدیث پر امت نے عمل ترک کردیا ہو اس کی سند خواہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، وہ معلول قرار پاتی ہے۔ ”نورالانوار“ میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہوجائے تو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ ”**المعجم الصغير**“ للطبرانی کے آخر میں صفحہ ۱۷۷ سے

۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے ''التحفة المرضية في حل بعض مشكلات الحديثية''جس میں امام شافعی، امام بخاری، امام ترمذی، علامہ سیوطی، سخاوی اور شوکانی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا گیا ہے۔ (رسائل ۱/۲۲۳)

اعجوبہ : امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مرفوع حدیث کا راوی بھی یہی ابراہیم ابوشیبہ ہیں غیر مقلدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ ابراہیم کی وجہ سے اس حدیث کا انکار کر کے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے منکر ہو جائیں لیکن صد افسوس اس جگہ ان پر جرح اور ضعف کو یہ لوگ بھول جاتے ہیں۔

قارئین کرام ! اگر ابراہیم کی وجہ سے تراویح کی روایت ضعیف ہے تو فاتحہ کی ضعیف کیوں نہیں؟ اور اگر فاتحہ کی حدیث میں ثقہ ہیں تو تراویح کی حدیث میں کیوں ثقہ نہیں؟

سوال : صحاح ستہ میں سے اگر کسی ایک کتاب میں تراویح کا عدد اور مقدار صراحۃ کسی صحابی یا تابعی وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت ہو تو کتاب کے نام اور صفحہ کے حوالہ سے بتا دیجئے اور ہمیں اپنے ساتھ ملا لیجئے۔

جواب : صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی میں تراویح کی بیس رکعات کی نسبت خلیفہ راشد حضرت عمر، خلیفہ راشد حضرت علی و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم، سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل علم رحمہم اللہ تعالی کی طرف موجود ہے۔ صفحہ اور عربی عبارت ملاحظہ کیجئے اور ساتھ ہونے کا وعدہ پورا کیجئے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : و أكثر أهل العلم على ما روى عن على و عمر و غيرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرين ركعة و هو قول سفيان الثورى و ابن المبارك و الشافعي و هكذا أدرك ببلادنا بمكة يصلون عشرين ركعة

(جامع الترمذی ۱/۱۶۶)

اور اکثر اہل علم کا عمل حضرت علی اور حضرت عمر اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے مروی بیس رکعت کے مطابق ہے اور یہی قول ہے سفیان ثوری، ابن مبارک اور شافعی کا اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے ہمارے شہروں میں اور مکہ مکرمہ میں کہ لوگ بیس رکعتیں ہی پڑھتے ہیں۔

مطالبہ : اگر غیر مقلدین میں ہمت ہو تو ہماری طرح ایک ایسی صریح، صحیح اور غیر متعارض، غیر مضطرب حدیث پیش کریں جس میں رمضان کی تخصیص کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح کا ذکر ہو (تہجد کی حدیث سے استدلال کرنا ہتھیار ڈالنا تصور کیا جائے گا) یا صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالے سے ثابت کریں کہ کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی ایک دن بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہو یا قول کیا ہو یا اصحاب صحاح میں سے کسی ایک محدث نے آٹھ رکعت تراویح کا قول منسوب کیا ہو، جیسے ہم نے جامع ترمذی کے حوالہ سے ثابت کیا ہے۔

سوال : چونکہ اہل تجربہ کا مشاہدہ ہے کہ جتنے غیر مقلدین کے افراد ہیں اتنے ان کے اقوال اور مذاہب بھی ہیں۔ ہر غیر مقلد دوسرے غیر مقلد کو گمراہ اور قرآن وحدیث کا مخالف سمجھتا ہے۔ آپ اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے غیر مقلد کی تحریر یا تقریر بتائیں تو فوراً یہ کہکر ''میں اس کا مقلد نہیں ہوں'' رد کردے گا۔ اگر کوئی غیر مقلد یہ کہے کہ ابو شیبہ راوی کی وجہ سے میں جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی حدیث اور بیس رکعات تراویح کی حدیث دونوں کو ضعیف مانتا ہوں تو اس کے سامنے بیس رکعات کا ثبوت آپ ﷺ سے کس طرح ہوگا؟

جواب: اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ ﷺ سے آٹھ کی طرح بیس رکعات کا مرفوع حدیث میں ثبوت نہیں تو بھی دو وجہ سے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق بیس ہی کا پڑھنا سنت ہوگا نہ کہ آٹھ کا۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ خود غیر مقلدین کے اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ میں کوئی عدد متعین نہیں نہ آٹھ نہ بیس، البتہ ان میں سے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح مسلم کی

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عدد زیادہ تھا۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں : **ولا يتعين لصلوة ليالي رمضان يعني التراويح عدد معين** (نزل الابرار ۱/۱۶۶) یعنی تراویح کا کوئی عدد متعین نہیں۔

غیر مقلد ابوالخیر میر نورالحسن صاحب لکھتے ہیں : **و بالجمله عددے معين در مرفوع نيامده (العرف الجادی ۸۴)** کہ کسی مرفوع حدیث میں کوئی معین عدد نہیں آیا۔

غیر مقلدوں کے امام جناب نواب صدیق حسن خان صاحب رقم طراز ہیں :**ان صلوة التراويح سنة باصلها لما ثبت أنه صلاها في ليالي ثم تركها شفقة على الامة لا تجب على العامة او يحسبوها واجبة و لم يأت تعين العدد في الروايات الصحيحة المرفوعة لكن يعلم من حديث كان رسول الله ﷺ يجتهد في رمضان مالا يجتهد في غيره (رواه مسلم) أن عددها كثير . (الاتقاد الرجيع)**

نواب صاحب کی اس عبارت کو بار بار پڑھئے، آپ کس وضاحت سے فرما رہے ہیں کہ روایات صحیحہ مرفوعہ میں تراویح کی معین مقدار مذکور نہیں (شاید ان حضرات نے صحیح بخاری نہ پڑھی ہوگی)

(۲) دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا ارشاد "**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**" (الحدیث) صحیح سند سے ثابت ہے۔ لہٰذا جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ سے آٹھ رکعات ثابت نہیں اور بیس کے عدم ثبوت کو بھی ہم فرض کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ ہی کے ارشاد "**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**" کے مطابق خلفائے راشدین کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ چونکہ ان خلفاء میں سے خلیفۂ راشد حضرت عمر اور خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جامع ترمذی میں صراحۃً بیس رکعات تراویح منقول ہے لہٰذا ہم سب مخلص منصف مسلمانوں پر لازم ہے کہ ضد و عناد کے زہر کو تھوک کر حق کا اتباع کریں اور آپ ﷺ ہی کے حکم کو پورا کرتے ہوئے ان خلفائے راشدین کے قول و عمل کو اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اشکالات و جوابات

اشکال نمبر۱: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو آٹھ رکعت تراویح بیان فرماتی ہیں۔

جواب : جولوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کرتے ہیں وہ ایک غلط فہمی کا شکار ہیں اوران کی یہ غلط فہمی صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہم کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ان لوگوں نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کوصرف تراویح پرمحمول کیا ہے یا تراویح اورتہجد دونوں پر۔حالانکہ اس روایت میں صرف تہجد (جو پورے سال پڑھی جاتی ہے)اوروتر کا بیان ہے۔اگرتراویح سے بھی اس کاتعلق ہوتا تو مدینہ منورہ میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے دور فاروقی ،عثمانی اورعلوی میں مسجد نبوی کے اندر جب آٹھ سے زائد رکعات تراویح پڑھی جاتی رہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حدیث کو پیش فرما کران کے اس عمل کو رد فرماتیں اورضرور منع فرماتیں ،لیکن انہوں نے ایک دن بھی اس حدیث کوآٹھ سے زائد تراویح کے خلاف پیش نہیں کیا۔اگرکوئی پیش کرنے کا مدعی ہے توصحیح سنداور صحیح روایت لائیں اورانعام حاصل کریں۔

اشکال نمبر۲ : حضرت جابر اورحضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بھی آٹھ کا ثبوت ملتا ہے(قیام اللیل للامام ابن نصر المروزی ۹۰ بحوالہ لمعات المصابیح)

جواب : اس کے دوجواب ہیں۔

(۱) یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں (تقریب ،میزان الاعتدال،ابکار المنن ۱۹۱)

(۲) ان دونوں نے بھی ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح خلافت راشدہ کے دور میں آٹھ سے زائد کے خلاف اپنی اس روایت کوایک مرتبہ بھی پیش نہیں کیا۔

اشکال نمبر۳: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اورتمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوحکم دیا کہ لوگوں کوگیارہ رکعات پڑھائیں۔

جواب: یہ روایت مضطرب المتن ہے اور اجماع کے خلاف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

اشکال نمبر ۴ : کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے سند صحیح کے ساتھ بیس رکعات منقول ہیں؟ جیسے حنفیہ کا دعوی ہے۔

جواب: جی ہاں! صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں۔خود غیر مقلدین کے مترجم اور امام علامہ وحید الزماں نے لکھا ہے: ’’البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بسندِ صحیح بیس رکعتیں منقول ہے‘‘
(تیسیر الباری ۱۳/ ۱۴۷)

اشکال نمبر ۵ : صاحب فتح القدیر وغیرہ بعض احناف نے آٹھ رکعت تراویح کا ذکر کیا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: ہمارے احناف کا مذہب متفقہ طور پر متون میں صرف بیس رکعات کی سنیت کا ہے، آٹھ کا قول شاذ ہے۔ جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قراءتیں اور سنتِ متواترہ کے خلاف شاذ اور ضعیف روایات متروک اور غیر معمول بہا ہوتی ہیں اسی طرح فقہ میں بھی شاذ اور ضعیف اقوال متروک اور نا قابل عمل ہوتے ہیں۔ ایسے شاذ اقوال کو لے کر متواتر عمل کے خلاف پیش کرنا ایسا ہے جیسے شاذ قراءت کو متواتر قرآن اور شاذ روایت کو متواتر حدیث کے خلاف کوئی جاہل پیش کر کے میدان کا فاتح بن جائے، ہمارے احناف کا اصول ہے ’’و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع ‘‘یعنی قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتوی دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے، یعنی باطل اور حرام ہے۔(الشامیۃ ۱/۶۷، ط: سعید)

چیلنج : عہد فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعات یا بیس سے زیادہ کے سب قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہ ہوتی تھی۔ اگر غیر مقلدین اس کے خلاف مدعی ہیں تو صحیح سند سے اور ٹھوس حوالوں سے ثابت کریں کہ کہاں اور کس مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی؟

﴿تراویح، جمعہ، عیدین اور پنجگانہ نمازوں میں عورتوں کی شرکت﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان دین کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں اور عیدین میں مردوں کے ساتھ انہیں شرکت کا حکم دیا جاتا تھا اور مسجد جانے سے روکنے والے شوہروں کو منع کیا جاتا تھا کہ اللہ تعالی کی بندیوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے جمعہ، عیدین اور تراویح وغیرہ نمازوں میں شرکت جائز بلکہ مستحب اور تاکیدی حکم ہے، لہٰذا حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کا ان کو مسجد جانے سے منع کرنا احادیث کے مقابلہ میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

﴿۱﴾ ازراہ کرم عورتوں کا مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

﴿۲﴾ یہ بھی بتائیں کہ گھر کے اندر تراویح میں عورت کی امامت کا حکم کیا ہے؟

﴿۳﴾ رمضان المبارک کے مہینے میں بعض حافظات عورتیں دن کے نوافل میں امام بن کر بلند آواز سے دوسری حافظات کو قرآنِ کریم سناتی ہیں۔ کیا یہ عمل ان کا شرعاً جائز ہے؟

﴿۴﴾ اگر خواتین اپنا قرآن یاد کرنے کے غرض سے نوافل یا تراویح میں بدوں امامت تنہا جہراً قرأت کرے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿۵﴾ بعض جگہوں میں خواتین آپس میں صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کرواتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

﴿۱﴾ عورتوں کے مسجد کی جماعت میں شرکت سے متعلق جملہ روایات پر نظر رکھنے والے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کا جو فیصلہ ہے وہ درست اور عین شریعت کے مطابق ہے اور شرکت کی اجازت دینا کج فہمی، کم فہمی یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کا یہ فیصلہ کہ عورتوں کے لئے جس طرح پنج وقتہ نمازوں میں شرکت کے لئے گھر سے نکل کر مسجد میں جانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے اسی طرح تراویح، جمعہ اور عیدین کے لئے بھی نکلنا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جو مسجد جانے کی اجازت تھی وہ صرف اباحت کے درجہ میں تھی کوئی تاکیدی حکم نہ تھا اور خاص حالات کے پیش نظر یہ اجازت تھی۔ اس کو تاکیدی اور عام حالات کا حکم سمجھنا اور اس دورِ پرفتن میں ان کو اجازت دینا درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط اور باطل ہے

(۱) جو عورتیں آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں نہ آتی تھیں ان پر آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی قسم کی سختی نہیں فرمائی، ہاں مرد اگر کوتاہی کرتے تو ان پر سختی فرماتے۔ جس سے عدم تاکید واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله تعالى عنه عن النبی ﷺ قال لولا ما فی البيوت من النساء و الذرية اقمت صلوة العشاء و امرت فتيانی يحرقون مافی البيوت بالنار. رواه أحمد (المشكوة ۹۷)

ترجمہ: ’’آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں (کسی کو امام بنا کر) عشاء کی جماعت کھڑی کراتا اور جوانوں کو حکم دیتا کہ (جن گھروں کے مرد مسجد نہیں آتے) ان گھروں کو جلا دو۔‘‘

(۲) آپ ﷺ نے ’’**خير مساجد النساء قعر بيوتهن**‘‘ فرما کر عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصہ کو قرار دیا ہے۔

عن أم سلمة زوج النبی ﷺ عن النبی ﷺ خير مساجد النساء قعر بيوتهن. (المستدرک ۱/۲۶۲۴)

ترجمہ: ’’ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے لئے

ان کے نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔"

(۳) شوہروں کو منع کرنے سے روکنا اس لئے نہ تھا کہ عورتوں کے لئے جانا ضروری اور تاکیدی حکم ہے، بلکہ صرف اباحۃً ومشورۃً تھا۔ کہ اگر نہ روکو اور جانے دو تو بھی کوئی حرج نہیں، اسی لئے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ گھر ہی میں نماز پڑھے۔

عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما قال :قال رسول اللهﷺ : لا تمنعوا نسائكم المساجد و بيوتهن خير لهن .(المستدرک علی الصحيحين ۱/۴۶۲)

ترجمہ :"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو، اوران کے لئے ان کے گھر زیادہ بہتر ہیں۔"

(۴) آپ ﷺ ہی کے زمانہ میں قبیلہ بنی ساعدہ کے لوگوں نے اپنی بیویوں کو مسجد جانے سے روکنا شروع کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اُن کے شوہروں سے کچھ نہیں فرمایا، بلکہ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا مسجد جانا تاکیدی حکم نہ تھا

و عن أم حميد امرأة أبی حميد الساعدی (رضی الله تعالی عنهما) انها جاء ت النبی ﷺ فقالت : يا رسول الله ! انی أحب الصلوة معک ، قال : قد علمت أنک تحبين الصلوة معی ، و صلوتک فی بيتک خير من صلاتک فی حجرتک ، و صلاتک فی حجرتک خير من صلاتک فی دارک ، و صلاتک فی دارک خير من صلاتک فی مسجد قومک ، و صلاتک فی مسجد قومک خير من صلاتک فی مسجدی ،قالت : فأمرت فبنی لها مسجد فی اقصی بيت من بيتها و أظلمه، فكانت تصلی فيه حتی لقيت الله عزوجل.

(مجمع الزوائد ۲/۱۵۷)

ترجمہ :"حضرت ام حمید (جو آپ ﷺ کے صحابی ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی

ہیں)فرماتی ہیں کہ ہمارے قبیلے کی عورتوں کو ہمارے خاوند مسجد میں آنے سے منع کرتے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھا کریں مگر ہمارے خاوند ہمیں اس سے منع کرتے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا گھروں کے اندر نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا میرے ساتھ (مسجد نبوی ﷺ) میں باجماعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔اس کے بعد ام حمید رضی اللہ تعالی عنہا نے حکم دیا کہ میرے گھر کے تاریک کمرے میں میری نماز کی جگہ بنادو۔اور وصال تک وہیں نماز ادا فرماتی رہیں۔‘‘

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ اس (آزادی) کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے ظاہر کی ہے تو آپ ﷺ ان کو مسجد میں جانے سے ضرور منع فرماتے۔ جب اس زمانہ کے حالات منع کا سبب تھے تو آج کے انتہائی ناگفتہ بہ اور گرے ہوئے حالات کیوں نہیں؟

عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت : لو أدرک رسول اللهﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد. (البخاری ۱/۱۲۰ و مسلم ۱/۱۸۳)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما جمعہ کے دن مسجد میں کھڑے ہو کر عورتوں کو پتھر مار کر مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔(کیا ان کو پتہ نہ چلا کہ یہ تاکیدی حکم ہے؟)

و کان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما یقوم یحصب النساء یوم الجمعة یخرجهن من المسجد (عمدة القاری ۴/۶۴۷)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ پکی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ عورت کے لئے اللہ تعالی کے نزدیک سب سے پسندیدہ جگہ نماز کے لئے اس کے گھر کا اندرونی حصہ ہے (کیا

اس مجتہد صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ جانا تاکیدی حکم ہے؟)

و قال أبو عمرو الشیبانی : سمعت ابن مسعود رضی الله تعالی عنه حلف فبالغ فی الیمین :ما صلت امرأة صلاة أحب الی الله تعالی من صلاتها فی بیتها.

(عمدة القاری ٦٤٧/٤)

(٨) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالی بھی عورتوں کو جمعہ اور پنج وقتہ جماعت میں شرکت سے منع کرتے تھے۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے دور میں فتوی دیا کرتے تھے۔

و کان ابراهیم یمنع نساء ہ الجمعة و الجماعة (عمدة القاری ٦٤٧/٤)

(٩) امام نووی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے نماز کی سب سے بہترین جگہ اس کا گھر ہے، چاہے عورت بوڑھی کیوں نہ ہو۔

و قال النووی رحمه الله تعالی : لیس للمرأة خیر من بیتها و ان کانت عجوزا

(عمدة القاری ٦٤٧/٤)

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ تعالی بوڑھیوں کو اجازت نہیں دیتے تھے جبکہ اس دور پرفتن میں جوان عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت بلکہ ترغیب دی جاری ہے۔**فوا أسفا**

(١٠) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ احادیث کے معانی سب سے زیادہ جاننے والے، حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

قال الفقهاء و هم أعلم بمعانی الحدیث

(جامع الترمذی ١٩٣/١، باب ما جاء فی غسل المیت)

لہٰذا ان حضرات نے جملہ روایات اور زمانہ کے تغیرات کو سامنے رکھ کر جو فیصلہ کیا ہے وہی فیصلہ شریعت کا فیصلہ ہے اور واجب العمل ہے۔اس کے خلاف صرف ایک دو روایتیں دیکھ کر جدید دور

کے نام نہاد مجتہدین کا عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دینا اور اس اجازت کو مستحب اور تاکیدی حکم سمجھنا خلاف شریعت اور خطرناک قسم کی گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے۔ کذا فی الهداية و فتح القدير و البحر و الهندية والشامية والجوهرة والتبيين والبدائع وغيرها.

﴿۲﴾ تراویح میں عورت کی امامت دو وجہ سے ناجائز اور مفسد صلاۃ ہے۔

ا۔ راجح قول کے مطابق نماز میں عورت کی آواز ستر ہے، اس پر آہستہ پڑھنا واجب ہے بلند آواز سے پڑھے گی تو نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ عورتیں بلند آواز سے پڑھتی ہیں۔

۲۔ تراویح میں صحتِ امامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ عشاء کے فرض جماعت سے پڑھے ہوں جبکہ اکثر جگہ تراویح پڑھانے والیاں فرض جماعت سے نہیں پڑھتیں۔

﴿۳﴾ یہ بھی دو وجہ سے ناجائز ہے، رمضان میں دن کے نوافل میں حافظات خواتین کا قرآن سنانے کے لئے جماعت کروانا اور جہراً قرأت کرنا مندرجہ ذیل دو وجوہ کی بنیاد پر ناجائز اور غیر مشروع ہے۔

(الف) عورت کی آواز نماز میں ستر ہے، اس پر ہر نماز میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

(ب) دن کے نوافل میں جہراً قرأت کرنا مردوں کے لئے بھی جائز نہیں تو عورتوں کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

قال العلامة المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالى : صَرَّحَ فِي النَّوَازِلِ بِأَنَّ نَغمَةَ المَرأَةِ عَورَةٌ وَبَنَى عَلَيهِ أَنَّ تَعَلُّمَهَا القُرآنَ مِن المَرأَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِن الأَعمَى قَالَ : لِأَنَّ نَغمَتَهَا عَورَةٌ وَلِهَذَا قَالَ عَلَيهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ التَّسبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصفِيقُ لِلنِّسَاءِ فَلا يَحسُنُ أَن يَسمَعَهَا الرَّجُلُ انتهى كَلَامُهُ .وَعَلَى هَذَا لَو قِيلَ إِذَا جَهَرَت بِالقِرَاءَةِ فِي الصَّلاةِ فَسَدَت كَانَ مُتَّجِهًا وَلِذَا مَنَعَهَا عَلَيهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِن التَّسبِيحِ بِالصَّوتِ لِإِعلَامِ الإِمَامِ لِسَهوِهِ إِلَى التَّصفِيقِ. (فتح القدير ۱/۲۲۷،ط : رشيديه)

(قولہ وصوتھا علی الراجح) وحرمة رفعه خوف الفتنة وقيل انه عورة ولو قيل بفساد الصلوة بناء عليه لا يبعد قاله الكمال. (طحطاوی علی الدر ۱/۱۹۰ ط :العربية)

﴿۳،۴﴾ مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر چونکہ عورت پر ہر نماز میں آہستہ پڑھنا واجب ہے لہٰذا ان کا منفرداً دن کے نوافل میں جہراً قراءت کرنا بھی ناجائز ہے۔

﴿۵﴾ خواتین کی صلوٰۃ التسبیح کی جماعت بھی مندرجہ بالا دو وجوہ کی بناء پر ناجائز ہے۔

تنبیہ۱: اگر یہ دونوں باتیں نہ بھی ہوں تو بھی بتصریح فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عورتوں کے لئے عام نمازوں کی جماعت کی طرح تراویح بھی مکروہ تحریمی اور گناہ کبیرہ ہے۔

تنبیہ۲: جن روایات میں عورتوں کی امامت کا ذکر ہے وہ امام کاسانی اور صاحب بحر رحمہما اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق منسوخ ہیں۔ (البحر ص ۶۱۵ ج ۱/البدائع ص ۱۵۷ ج ۱)

تنبیہ۳ : اگر نوافل اور تراویح میں عورت سہواً بلند آواز سے قرأت کرے گی تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے اگر قصداً کرے گی تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

﴿اعتکاف﴾

مسئلہ۱: عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں، اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) واجب (۲) سنت (۳) نفل

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲: اعتکاف واجب اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص منت مان لے خواہ منت کسی شرط پر موقوف ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا، یا منت کسی شرط کے بغیر ہو جیسے یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اتنے دنوں کا اعتکاف میرے ذمہ ہے۔ نیز یہ اعتکاف اس صورت میں واجب ہوتا ہے کہ جب زبان سے الفاظ ادا کرے، صرف دل میں نیت

کر لینے سے منت نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۷۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۳: مسنون اعتکاف رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کو کہتے ہیں جو کہ سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور اعتکاف واجب اور مسنون کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جائے وہ نفل اعتکاف کہلاتا ہے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۴: رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف شہر کے ہر محلّہ والوں کے حق میں سنت علی الکفایہ ہے یعنی ہر محلّہ کی مسجد میں ایک آدمی اعتکاف میں بیٹھے ورنہ پورا محلّہ تارکِ سنت ہوگا۔
(الشامیۃ ۳/ ۴۹۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵: اعتکاف کے لیے سب سے افضل جگہ مسجدِ حرام ہے اسکے بعد مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ پھر وہ بڑی مسجد جس میں نمازی زیادہ ہوں اور اس میں پانچ وقت جماعت ہوتی ہو، ورنہ اپنے محلّہ کی مسجد افضل ہے۔ (بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۱، ط: رشیدیہ، الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۶: مسنون اعتکاف کے لیے ضروری ہے کہ ۲۰ رمضان کو غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور اعتکاف کی نیت بھی غروب سے پہلے کرے، اگر غروب کے بعد مسجد میں داخل ہوا یا مسجد میں پہلے سے موجود تھا مگر نیت غروب کے بعد کی تو یہ اعتکاف مسنون نہ ہوگا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۷: مسجد میں مقامِ اعتکاف کو چادر یا کپڑے وغیرہ سے گھیر کر حجرہ کے مانند بنا لینا بہتر اور مستحب ہے۔ نیز مسجد کے اندر معتکف کا، حجرہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتح القدیر ۲/ ۳۰۵، ط: رشیدیہ قدیم)

مسئلہ۸: مسجد کی حدود سے لاعلمی کی وجہ سے بہت سارے معتکف اپنا اعتکاف توڑ بیٹھتے ہیں اس لیے معتکف کو چاہیے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے متولی مسجد سے پوچھ کر مسجد کی حدود معلوم کر لے، نیز مسجد سے باہر نکلنے کا حکم تب لگے گا جب دونوں پاؤں مسجد سے باہر ہوں اور دیکھنے

والے یہی سمجھیں کہ یہ مسجد سے باہر ہے لہٰذا صرف سر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔
(بدائع الصنائع ۲/۲۸۴، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۹: جس طرح مرد کے لیے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنت ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی سنت ہے لیکن اس دورِ پرفتن میں عورتوں کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا ناجائز ہے گھر میں ایسی جگہ جو نماز کے لیے مخصوص ہو اعتکاف کرلے اور اسی جگہ کھانے، پینے اور لیٹنے کا انتظام کرلے بلا کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے اس جگہ سے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔
(الشامیۃ ۳/۴۹۴، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۰: اگر پہلے سے گھر میں نماز کی جگہ مخصوص ہے تو اب ضروری ہے کہ اسی جگہ اعتکاف کرے اس جگہ سے ہٹ کر اعتکاف کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی جگہ پہلے سے مخصوص نہیں تو اب جہاں اعتکاف کے لیے جگہ مخصوص کرنا چاہے کرسکتی ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۱: عورت کو اعتکاف میں بیٹھنے کے لیے خاوند کی اجازت ضروری ہے خاوند بیوی کو اعتکاف سے منع بھی کرسکتا ہے لیکن جب ایک بار اجازت دے دی تو اب منع نہیں کرسکتا، نیز جب خاوند نے اجازے دے دی تو اب ان کے لئے میاں بیوی کے مخصوص امور جائز نہیں تاہم ہم بستری کی صورت میں اعتکاف فاسد ہوجائے گا، ہم بستری کے سوا دوسری باتوں سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱،۲۱۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۲: اعتکاف مسنون رمضان کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کی شام شوال کا چاند دکھائی دینے پر پورا ہوجاتا ہے۔ معتکف چاہے تو اسی وقت مسجد سے گھر چلا جائے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۱، ط: رشیدیہ)

جائز اور ناجائز امور

مسئلہ۱: معتکف کے لیے مسجد کے اندر کھانا، پینا، آرام کرنا، اور حاجاتِ طبعیہ کے لیے مسجد سے باہر جانا جیسے پیشاب، پاخانہ، غسل جنابت اور وضو کے لیے جانا بشرطیکہ وضو کے لئے مسجد کے اندر ایسی

جگہ نہ ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے، وضو خواہ فرض نماز کے لیے ہو، یا نفل اور تلاوت کے لیے ہو، باہر جانا جائز ہے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲: بقدرِ ضرورت معتکف کے لیے مباح باتیں کرنا درست ہے۔ بالکل خاموش رہنا بھی جائز ہے جبکہ اسے ثواب اور قربت نہ سمجھے۔ البتہ بات چیت کی محفل جما کر اس کے لیے بیٹھک کرنا بہرحال مکروہِ تحریمی ہے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۳: معتکف کے لیے حقہ اور سگریٹ مسجد میں بیٹھ کر پینا جائز نہیں اور اس غرض سے باہر جانا بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی معتکف ان چیزوں کا عادی ہے تو مدتِ اعتکاف میں ان چیزوں کو ترک کردے۔ اگر کسی کو شدید تقاضہ ہے تو جب کسی ضرورت کے موقع پر مسجد سے نکلے تو راستہ میں سگریٹ، بیڑی، نسوار استعمال کرلے مگر اسکے بعد جلد ہی منہ کی بو زائل کرلے۔

(مشکوۃ المصابیح ۶۸، ط: قدیمی)

مسئلہ۴: اگر کوئی سگریٹ، حقہ، نسوار کا پرانا عادی ہے اور اس کے منہ سے بدبو کا طوفان اٹھ رہا ہے تو ایسے شخص کے لئے اعتکاف کرنا جائز نہیں۔ (الشامیۃ ۲/۵۲۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵: معتکف اگر قضائے حاجت کے لیے نکلے تو حتی الامکان قریب سے حاجت پوری کر کے لوٹے۔ البتہ نزدیک والی جگہ کی طرف طبیعت مائل نہ ہو، کوئی رکاوٹ ہو خواہ طبعی ہو یا شرعی تو دور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۲، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۶: طبعی اور شرعی حاجت کے سوا کسی بھی سبب سے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، یہ نکلنا خواہ لمحہ بھر کے لیے ہو، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، خوشی سے ہو یا مجبوری سے البتہ مجبوری سے توڑنے میں گناہ نہ ہوگا لیکن قضاء ہر صورت میں لازم ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۴، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۷: دن میں قصداً کچھ کھا پی لیا تو روزہ کے ساتھ اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا اور بھول

کر کھانے پینے سے روزہ کی طرح اعتکاف بھی نہیں ٹوٹتا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۲۱۳، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۸: نفل اعتکاف کی قضا واجب نہیں، اس لیے کہ وہ مسجد سے نکلنے سے ٹوٹتا نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے۔ واجب اعتکاف ٹوٹ جائے خواہ نذر معین ہو یا غیر معین تو سب ایام کی قضاء واجب ہے اور اگر سنت اعتکاف ٹوٹ جائے تو صرف اسی دن کی قضا واجب ہے جس میں اعتکاف ٹوٹا۔ فاسد ہونے کی صورت میں اعتکاف نفلی ہو جائے گا ایک دن کی قضا لازم ہے چاہے رمضان ہی میں کرے یا رمضان کے بعد نفلی روزہ کے ساتھ کرے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۱۱)

مسئلہ۹: اگر اعتکاف دن میں ٹوٹا ہو تو صرف دن دن کی قضا واجب ہوگی اداءِ قضاء کے لیے روزے کے ساتھ صبح صادق سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور اسی روز شام کو غروبِ آفتاب کے وقت مسجد سے نکلے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۱۱)

مسئلہ۱۰: اگر اعتکاف رات میں ٹوٹا ہو تو پھر رات اور دن دونوں کی یعنی ۲۴ گھنٹے کی قضا واجب ہوگی اور اسکے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہو اور دن کا روزہ رکھے اور دن گزرنے کے بعد غروبِ آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۱۱)

﴿صدقہ فطر﴾

احکام و مسائل

مسئلہ۱: اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق پر بطورِ شکر یہ ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے جسے صدقہ فطر کہتے ہیں جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲: صدقہ فطر کے نصاب میں پانچ چیزوں کا حساب لگایا جاتا ہے سونا، چاندی، مال تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد سامان۔ سونا چاندی چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، زیور کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں ہر حال میں اسکو نصاب میں شمار کیا جائے گا، اگر ان کی قیمت

ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہے تو یہ شخص صاحبِ نصاب ہے اور اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ قربانی کا نصاب بھی یہی ہے۔(الشامیۃ ۳۶۰/۲، ط:سعید)

مسئلہ۳ : مالِ تجارت اس مال کو کہتے ہیں جس میں دو شرطیں پائی جائیں۔

(۱) بیچنے کی نیت سے خریدا ہو۔

(۲) بیچنے کی نیت تا حال باقی ہو۔

دونوں باتیں نہیں یا دونوں میں سے ایک نہیں تو وہ مال مالِ تجارت نہیں کہلائے گا، نیز نصاب میں مالِ تجارت کی قیمتِ فروخت کا اعتبار ہے نہ کہ قیمتِ خرید کا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۹۲/۲، ط: دارالفکر، دمشق)

مسئلہ٤ : رہائشی مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، گھریلو سامان اور روزمرہ استعمال کی دوسری اشیاء حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہوں تو ضرورت سے زائد اشیاء کہلاتی ہیں، جیسے تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ٹی وی، وی سی آر جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱۷۲/۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۵ : سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اس شخص کے لیے ہے جسکے پاس صرف سونا ہو چاندی، مالِ تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد سامان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ اگر ان پانچ اشیاء کا یا ان میں سے بعض کا مجموعہ موجود ہے تو پھر بجائے سونے کے نصاب کے چاندی کا نصاب چلے گا۔ مجموعی مالیت کا حساب لگائیں گے اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر یا زائد ہے تو صدقہ فطر اور قربانی کے ایام میں قربانی واجب ہے، کم ہے تو واجب نہیں۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱۷۹/۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ٦ : لوگوں میں ایک بات مشہور ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی اس شخص پر واجب ہے جو روزہ رکھے اور جس نے روزے نہیں رکھے اس پر واجب نہیں اس بات کی کوئی اصل نہیں۔صدقہ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے۔(الشامیۃ ۳۵۹/۲،ط:سعید)

مسئلہ۷ : ہر صاحبِ نصاب شخص کا اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے۔نابالغ اولاد میں اگر کوئی صاحبِ نصاب ہے تو فطرانہ اسی کے مال سے دیا جا سکتا ہے۔(الشامیۃ ۳٦۱/۲،ط:سعید)

مسئلہ۸ : صدقہ فطر عید الفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے لہٰذا صبح صادق سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوگیا یا فقیر مالدار ہوگیا تو ان سب پر صدقہ فطر واجب ہے، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو شخص فوت ہوگیا، مال دار فقیر بن گیا اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔اس کے برعکس جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہوگیا یا مالدار فقیر بن گیا تو ان پر صدقہ فطر واجب نہیں اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱۹۲/۱،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۹ : مستحب یہ ہے کہ صدقہ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کر دیا جائے تاکہ غریب اور نادار لوگ بھی مالداروں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوں لیکن اگر کوئی عید کی نماز کے بعد ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے، تاخیر کرنے سے صدقہ فطر ساقط نہ ہوگا عمر بھر اسکے ذمہ واجب رہے گا جب بھی ادا کرے ادا ہو جائے گا۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱۹۲/۱،ط:رشیدیہ)

مسئلہ ۱۰: صدقہ فطر گندم، جو، کھجور اور کشمش ان چار اجناس میں سے کسی بھی جنس سے ادا کیا جا سکتا ہے گندم سے ادا کریں تو نصف صاع اور جو، کھجور اور کشمش سے ادا کریں تو ایک صاع۔(نصف صاع کا احتیاطی وزن سوا دو کلو اور صاع کا ساڑے چار کلو ہے)

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱۹۱/۱،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۱۱: اگر کوئی شخص صدقہ فطر گندم، جو، کھجور اور کشمش کے بجائے بقیہ اجناس (مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ) یا نقد رقم سے ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت کا لحاظ ضروری ہے یعنی ان کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دے یا نقد روپیہ دے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۹۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۱۲: جس کے پاس صدقہ فطر کا نصاب ہو اس کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور نہ ہی اس کے لیے لینا جائز ہے اگر چہ وہ یتیم یا بیوہ ہو۔ (الشامیۃ ۲/ ۳۶۹، ط: سعید)

مسئلہ ۱۳: کئی افراد کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دینا اور ایک مرد کا صدقہ فطر کئی مسکینوں پر تقسیم کرنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۱)

مسئلہ۱۴: صدقہ فطر کا بہتر مصرِف کون ہیں کتاب کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

﴿زکوٰۃ﴾

شرائط اور وجوبِ زکوۃ

مسئلہ۱ : دولت کا ایک مقررہ حصہ غریبوں اور محتاجوں کی ملکیت کرنا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ نماز، روزہ بدنی عبادتیں ہیں جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے جو کہ ارکان اسلام کا ایک رکن ہے اور ہر آزاد مسلمان، عاقل، بالغ، صاحبِ نصاب شخص پر فرض ہے بشرطیکہ قبضہ میں آئے ہوئے مال پر مکمل قمری سال گزر چکا ہو۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۰، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲: مندرجہ ذیل اموال پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) مال تجارت (۴) نقدی

سونا چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، زیور کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں ہر حال میں قابل حساب ہوگا بشرطیکہ ان اموال پر قابض ہوئے مکمل قمری سال ہو چکا ہو۔

(المحیط البرہانی ۳/۱۵۶)

مسئلہ۳: مالِ تجارت اس مال کو کہتے ہیں جس میں دو شرطیں پائی جائیں۔

(۱) بیچنے کی نیت سے خریدا ہو۔

(۲) بیچنے کی نیت تا حال باقی ہو۔

دونوں باتیں نہیں یا دونوں میں سے ایک نہیں تو وہ مال مالِ تجارت نہیں کہلائے گا، نیز نصاب میں مالِ تجارت کی قیمتِ فروخت کا اعتبار ہے نہ کہ قیمتِ خرید کا۔ (الفقہ الاسلامی ۷۹۲/۲، ط: دار الفکر)

مسئلہ٤: زکوٰۃ صرف سونا، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی پر فرض ہے لہٰذا کارخانوں کا منجمد اثاثہ (مشینری وغیرہ)، ٹیوب ویل، استعمال کی گاڑی، کرایہ پر چلانے کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ، فریج اور دوسرے گھریلو استعمال کے سامان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(الشامیۃ ۲۶۲/۲، ط: سعید، الفتاویٰ الہندیۃ ۱۷۲/۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ٥: اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس فیکٹری میں جو تیار شدہ مال ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے اسی طرح جو مال تیاری کے مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کاروبار میں بطورِ شرکت یا مضاربت روپیہ لگایا ہوا ہے تو اس کاروبار میں جتنا حصہ اس کی ملکیت ہے اس حصہ کے قابلِ زکوٰۃ اموال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (الشامیۃ ۲۵۹/۲، ط: سعید، الفتاویٰ الہندیۃ ۱۷۹/۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ٦: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اس شخص کے لیے ہے جسکے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مالِ تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد سامان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ اگر ان پانچ اشیاء کا یا ان میں سے بعض کا مجموعہ موجود ہے تو پھر بجائے سونے کے نصاب کے چاندی کا نصاب چلے گا۔ مجموعی مالیت کا حساب لگائیں گے اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر یا زائد ہے تو صدقہ فطر اور قربانی کے ایام میں قربانی واجب ہے، کم ہے تو واجب نہیں۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱۷۹/۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۷: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اس شخص کے لیے ہے جسکے پاس صرف سونا

ہو، چاندی، مالِ تجارت، نقدی میں ذراسی مقدار بھی نہ ہو۔اگران چاراشیاء میں یا ان میں سے بعض کا مجموعہ موجود ہے تو پھر سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے کا حساب نہیں ہوگا بلکہ مجموعی مالیت کا حساب لگائیں گے اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر یا زائد ہے تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر کم ہے تو واجب نہیں۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۹،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۸: سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قمری مہینے کی جس تاریخ کو صاحبِ نصاب ہوا یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت یا اس سے زیادہ کا مالک ہوا، اب ہمیشہ کے لئے وہی تاریخ زکوٰۃ کے لیے متعین رہے گی۔آئندہ سال اسی تاریخ میں زکوٰۃ کا حساب کرنا فرض ہے اور اس متعین تاریخ کو یاد رکھنا بھی فرض ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۵،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۹: زکوٰۃ کی متعین تاریخ آنے پر سونا، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی جو کچھ بھی ہو اور جتنی مقدار بھی ہو بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو، سب کی زکوٰۃ فرض ہوگی خواہ درمیان سال میں کمی بیشی ہوتی رہی ہو گویا سال کے اول اور آخر کا اعتبار ہے، مال کے ہر ہر جزء پر سال گزرنا ضروری نہیں، البتہ اگر سال کے درمیان پورا مال ہی ختم ہو گیا تو پھر یہ تاریخ ختم ہو جائے گی۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۵،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۱۰: زکوٰۃ کی متعین تاریخ آنے پر مذکورہ چار اشیاء کا حساب لگایا گیا مال نصاب سے کم نکلا تو اب رواں سال کی زکوٰۃ اس شخص پر فرض نہیں اب آئندہ یہ شخص جس تاریخ میں دوبارہ صاحبِ نصاب ہوگا وہ تاریخ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے متعین ہو جائے گی۔

(بدائع الصنائع ۲/۱۵،ط:سعید)

مسئلہ۱۱: اگر غفلت سے صاحبِ نصاب بننے کی تاریخ یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا بھول گئے تو اس غفلت سے توبہ کر کے غور و فکر کے بعد ظن غالب سے کوئی تاریخ متعین کر لے۔اگر کسی تاریخ کا بھی ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ معین کر لی جائے۔اگر اس صورت میں کوئی زیادہ

ثواب کی غرض سے رمضان کی تاریخ معین کرے تو مضائقہ نہیں بلکہ کثرتِ ثواب کی وجہ سے مناسب ہے۔(احسن الفتاویٰ ۴/ ۲٦۵)

مسئلہ۱۲: جس وقت سال گزر جائے اور زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے نہ معلوم کس وقت موت آجائے اور اگر کسی نے گزشتہ کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے کیونکہ توبہ کرنے سے تاخیر معاف ہوتی ہے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی۔(الشامیۃ ۲/ ۲۷۱،۲۷۲،ط:سعید)

مسئلہ۱۳: اگر کسی نے غفلت کی وجہ سے گزشتہ چند سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور نہ ہی اب گزشتہ سالوں کا حساب موجود ہے تو اب اسکی ادائیگی کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلے سال کی زکوۃ منہا کرنے کے بعد جو رقم بچی پھر اس سے دوسرے سال کی زکوۃ ادا کرے پھر بقایا سے تیسرے سال پھر چوتھے سال اور بالترتیب اسی طرح سے گذشتہ سالوں کی زکوۃ منہا کرنے کے بعد جو رقم بچے اس سے موجودہ سال کی زکوۃ ادا کرے۔(ملخصاً احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۷۵)

مسئلہ۱٤: زکوٰۃ کے حساب میں صرف سونے اور چاندی کی قیمت لگائی جائے گی، موتیوں، نگینوں اور بنوانے کی اجرت شامل نہیں کی جائیگی نیز خالص سونا ہے تو خالص سونے کی قیمت لگائی جائے گی اور ملاوٹ شدہ سونا ہے تو ملاوٹ شدہ سونے کی قیمت لگائی جائے گی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ٦٧٧،ط:دارالفکر،دمشق)

مسئلہ۱۵: سونا یا چاندی جس کی ملکیت میں ہے اسی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے اگر سونے چاندی کے زیورات بیوی کی ملکیت میں ہوں تو زکوٰۃ شوہر پر نہیں اگر کسی وجہ سے بیوی کے پاس ادائیگی کے لیے نقدی نہیں تو زیورات میں سے کچھ فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے تاہم اگر شوہر بیوی کی طرف سے ادا کرنا چاہے تو ادا ہو جائے گی۔(بدائع الصنائع ۲/ ۵۳،ط:سعید)

مسئلہ۱٦: رشوت، سود، زناکاری، غصب کردہ اموال اور دوسرے حرام مال چونکہ ملکیت

نہیں ہوتی اس لیے ان پر زکوۃ فرض نہیں، البتہ اگر حلال وحرام مخلوط ہے تو حرام مال کی مقدار اس سے نکال کر باقی اگر بقدر نصاب بچتا ہے تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔
(الشامیۃ ۲/۲۹۰، ط:سعید)

مسئلہ۱۸: اگر کوئی شخص اتنا مقروض ہو جائے کہ قرض منہا کرنے کے بعد باقی مال بقدرِ نصاب نہ ہو اور وہ قرض بھی فوری طور پر واجب الاداء ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے مقروض ہو جائے۔ (بدائع الصنائع ۲/۶، ط:سعید)

مسئلہ۱۹: قرض کا مال قرض دینے والے کی ملکیت ہے اور اس نے ایک ضرورت مند بھائی کی مدد کی ہے جس کے اجر وثواب کا مستحق ہے۔ اس لیے قرض کی زکوٰۃ قرض دہندہ کے ذمے واجب ہوگی نہ کہ قرض لینے والے کے۔ (البحر الرائق ۲/ ۲۰۸، ط:سعید)

مسئلہ۲۰: اگر کچھ رقم قرض دے رکھی ہے یا فروخت شدہ مال کی قیمت باقی ہے تو اگر یہ رقم قابلِ وصول ہے تو زکوٰۃ دی جائے گی چاہے وصولی سے پہلے دیدے ورنہ وصول ہونے کے بعد گزشتہ ایام کی زکوٰۃ دینا فرض ہوگی۔ جس قرض کے ملنے کی امید نہ ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اگر وہ قرض مستقبل میں وصول ہو جائے تو بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں البتہ وصولی کے بعد سے آئندہ سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۷۵، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲۱: شوہر کے ذمے مہر کی رقم باقی ہے اور قابلِ وصول بھی ہے تو عورت پر اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہ ہوگی جب تک رقم وصول نہ ہو جائے اور وصولی کے بعد بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور شوہر کے اموال میں سے مہر کی رقم قرض کی طرح منفی نہیں کی جائے گی بلکہ مہر کی ادائیگی سے پہلے پہلے کل مال کی زکوٰۃ دے گا۔ (البحر الرائق ۲/ ۲۰۷، ط:سعید، خلاصۃ الفتاویٰ ۱/ ۲۴۰، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲۲: اگر کسی نادار اور غریب آدمی کو قرضہ کی رقم معاف کر دی جائے تو قرض کے زمانے کی زکوٰۃ معاف ہو جائے گی بشرطیکہ کل قرضہ معاف کر دیا جائے اگر قرض کا کچھ حصہ معاف

کیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اور اگر صاحبِ نصاب مقروض کو قرض کی رقم معاف کر دی تو معاف کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۷۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲۳: ایک شخص نے کسی دوسرے کو بطورِ قرض کچھ رقم دے رکھی تھی کہ وصول ہونے سے پہلے پہلے قرض دہندہ کا انتقال ہوگیا تو اس قرض دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ لازم نہیں اور نہ ہی اس پر وصیت کرنا لازم تھا اور نہ ہی ورثہ پر اسکی طرف سے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

(البحر الرائق ۲/۲۱۱، ط: سعید)

مسئلہ۲٤: اگر کوئی شخص اپنا قرض زکوٰۃ میں معاف کر دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر واپس قرض میں لے لی جائے اگر خوشی سے واپس نہ کرے تو جبراً بھی لے سکتا ہے البتہ اگر کوئی شخص قرض دیتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس صورت میں قرض دہندہ دی ہوئی رقم واپس نہیں لے سکتا۔

(الفتاوی الخانیۃ ۱/۲۶۳، ط: رشیدیہ، الشامیۃ ۲/۲۷۱، ط: سعید)

مسئلہ۲۵: جس شخص کے ذمے زکوٰۃ واجب ہے، اگر وہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ایک سال یا چند سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے تو یہ جائز ہے وقت پر حساب لگایا جائے اگر زکوۃ زیادہ بنتی ہے تو باقی رقم بعد میں ادا کر دے۔ (الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۷٦، ط: رشیدیہ)

مسئلہ۲٦: زکوٰۃ دیتے وقت لینے والے کو مطلع کرنا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، عیدی، تحفہ اور انعام کے نام سے بھی دی جائے اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ لینے والا مستحقِ زکوٰۃ ہو۔ (الشامیۃ ۲/۲٦۸، ط: سعید)

مسئلہ۲۷: زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرنا ضروری ہے البتہ اگر کوئی حساب کر کے زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر لے تو یہ نیت کافی ہے اب اگر ضرورت مند کو دیتے وقت نیت کرنا بھول جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہاں اگر دیتے وقت کسی دوسرے چیز کی نیت کر لی مثلاً

قرض وغیرہ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔(الشامیۃ ۲/۲۶۸،ط:سعید)

مصرف اور غیر مصرفِ زکوۃ

مسئلہ۱ : جس شخص کے پاس زکوٰۃ یا صدقہ فطر کے نصاب کے بقدر مال موجود ہے تو اس کو زکوٰۃ یا فطرانہ کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ہی اس کے لئے لینا جائز ہے۔عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہیے حالانکہ یہاں بھی یہی شرط ہے کہ اگر وہ مستحق ہے تو دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔(المحیط البرہانی ۳/۲۰۹)

مسئلہ۲ : زکوٰۃ ادا کرتے وقت تملیک ضروری ہے یعنی ہر وہ شے جو زکوٰۃ میں دی جارہی ہو اسے مستحق کی ملکیت میں دینا ضروری ہے۔بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں بدوں تملیک زکوٰۃ کی رقم مسجد و مدرسہ،ہسپتال،اسکول کی تعمیر،سڑک وغیرہ بنانے میں،میت کے کفن وغیرہ میں استعمال کرتی ہیں اور تملیک کو ضروری نہیں سمجھتیں،ایسی جماعتوں یا تنظیموں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، اگر دی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔(الشامیۃ ۲/۳۴۴،ط:سعید)

مسئلہ۳ : ہسپتال میں زکوٰۃ کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دی جائیں۔اس مد کو ہسپتال کے ڈاکٹروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہ،مکان کا کرایہ،فرنیچر وغیرہ مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی،بعض ہسپتالوں میں مدِ زکوٰۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(المحیط البرہانی ۳/۱۵۵،الشامیۃ ۲/۳۴۴،ط:سعید)

مسئلہ٤ : زکوٰۃ تین طرح کے رشتے داروں کو نہیں دی جاسکتی اس کے علاوہ سب کو دی جاسکتی ہے بشرطیکہ مستحقِ زکوٰۃ ہوں۔

(۱) اُصول: جن سے پیدا ہوا ہے یعنی ماں،باپ،دادا،دادی،نانا،نانی وغیرہ۔

(۲) فروع : یعنی اولاد بیٹا،بیٹی،پوتا،پوتی،نواسہ،نواسی وغیرہ۔

(۴) میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

(الشامیۃ ۲/۳۴۶، ط:سعید، المحیط البرہانی ۳/۲۱۲)

مسئلہ۵ : سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔نسب میں سید ہونے کا اعتبار والد سے ہے لہٰذا اگر والد سید ہے تو سید شمار ہوگا اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا نہ ہی اس کے لئے لینا جائز ہوگا اور اگر کسی کی صرف والدہ سید ہیں تو ایسے شخص کو اگر وہ مستحق ہے، زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

(الشامیۃ ۳/۸۷، ۲/۳۵۰، ط:سعید)

مسئلہ٦ : اگر کسی نے غور و فکر اور تحقیق کے بعد ایک شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحقِ زکوٰۃ نہ تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی دوبارہ دینا واجب نہیں البتہ لینے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے تو لینے سے انکار کر دے اور اگر لے چکا ہے تو واپس کرنا واجب ہے۔(الشامیۃ ۲/۳۵۳، ط:سعید)

مسئلہ۷ : جو مال دار اتنا مقروض ہو کہ اگر اسکا قرض منہا کیا جائے تو اس کے پاس بقدرِ نصاب مال نہ بچے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔(الشامیۃ ۲/۳۴۳، ط:سعید)

مسئلہ۸ : زکوٰۃ کا بہتر مصرِف کون ہیں کتاب کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

مسئلہ۹ : نابالغ بچے کا باپ اگر مالدار ہو تو ایسے بچے کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا خرچہ باپ کے ذمے واجب ہے۔البتہ اگر باپ مستحق اور ماں مالدار ہو تو ایسے بچے کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے...... مالدار باپ کا بالغ بچہ اگر صاحبِ نصاب نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

(البحر الرائق ۲/۲۴۶، ط:سعید)

مسئلہ۱۰ : مدِ زکوٰۃ سے دینی کتابیں چھپوا کر مستحقین میں تقسیم کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔(الشامیۃ ۲/۳۴۴، ط:سعید)

مسئلہ۱۱ : زکوٰۃ ادا کرتے وقت مستحب یہ ہے کہ ایک شخص کو کم از کم اتنی رقم دی جائے

جس سے وہ ایک دن اپنی اور اہل وعیال کی ضرورت پوری کر سکے نیز ایک مستحق کو بقدرِ نصاب یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔ اِلَّا یہ کہ وہ مقروض ہو اور قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ کی رقم سے وہ صاحبِ نصاب نہ بنتا ہو یا وہ عیال دار ہو اور اس کے عیال پر اس رقم کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو نصاب سے کم پہنچے تو پھر اس کو مقدارِ نصاب سے زیادہ دینا بھی جائز ہے۔ (الشامیۃ ۳۵۳/۲، ط:سعید)

مسئلہ۱۲: زکوٰۃ کی کل رقم ایک مستحق کو دینا بھی جائز ہے اور تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف مساکین کو دینا بھی جائز ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی کل رقم بیک وقت بھی دے سکتا ہے اور حسبِ ضرورت مختلف اوقات میں بھی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۱۸۸، ط:رشیدیہ)

مسئلہ۱۳: جس عورت کا مہر نصاب کے برابر یا نصاب سے زائد ہے اور شوہر بھی اس قابل ہے کہ مہر ادا کر سکتا ہے اور اس سے یہ توقع بھی ہے کہ جب مانگا جائے فوراً ادا کر دے گا تو ایسی عورت کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جا سکتی البتہ اس نے مہر معاف کر دیا ہو یا شوہر غریب ہے کہ مہر کی رقم ادا نہیں کر سکتا یا شوہر امیر ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو ایسی عورت کو اس مہر کی وجہ سے صاحبِ نصاب نہیں کہا جائے گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۴۲، ط:رشیدیہ)

ادائیگی زکوۃ کے متفرق مسائل

مسئلہ۱: ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ کی کچھ رقم مساکین کو دینے کے لیے دی تو رقم دیتے وقت نیت کرنا ضروری ہے اگر دیتے وقت نیت نہیں کی تو مستحق کے پاس جب تک رقم موجود ہے نیت کر سکتا ہے اگر وہ رقم مستحق سے کسی بھی وجہ سے نکل جائے تو پھر نیت کا اعتبار نہیں۔ نیت کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۱، ط:رشیدیہ)

مسئلہ۲: ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ کی کچھ رقم مساکین کو دینے کے لیے دی اس سے وہ رقم ضائع ہوگئی تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ ادا کرنا

ضروری ہے۔(الشامیۃ ۲/ ۲۶۹،ط:رشیدیہ)

مسئلہ۳: ایک شخص نے وکیل بنا کر زکوٰۃ کی رقم خاص متعین کردہ مساکین کو دینے کے لیے دی تو اب وکیل پر لازم ہے کہ ان متعین مساکین تک رقم پہنچائے اگر کہیں اور صرف کردی تو مالک کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور وکیل ضامن ہوگا۔(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۲/ ۲۱۵،ط:قدیمی)

مسئلہ٤: وکیل کے لیے جائز نہیں کہ زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے معین کردہ مصرف کے علاوہ کسی اور جگہ زکوٰۃ کی رقم صرف کرے اگر صرف کردی تو مستحق کے پاس اگر مال اب بھی موجود ہے تو مالک کو اطلاع دے اگر مالک بخوشی اس پر راضی ہوجائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔اگر اس نے اجازت نہیں دی یا اس مستحق کے ہاتھ سے زکوٰۃ کی رقم خرچ ہوگئی تو پھر وکیل پر لازم ہے کہ وہ موکل کو اطلاع کر کے اپنی طرف سے ان کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۲/ ۲۱۵،ط:قدیمی)

مسئلہ٥: اگر کسی نے وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دی اس نے کسی دوسرے کو وکیل بنایا تو یہ بھی جائز ہے۔(الشامیۃ ۲/ ۲۷۰،ط:سعید)

مسئلہ٦: اگر کسی نے وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دیتے ہوئے مصرف معین نہیں کیا مطلقاً فقراء و مساکین کو دینے کا وکیل بنایا تو وکیل خود نہیں لے سکتا باقی جس مستحق کو بھی دیدے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اگر وکیل کو مکمل اختیار دیا جائے کہ آپ کی مرضی ہے جہاں چاہے، جیسے چاہے دے سکتے ہیں تو پھر خود بھی لے سکتا ہے بشرطیکہ مستحقِ زکوٰۃ ہو۔(البحرالرائق ۲/ ۲۱۱،ط:سعید)

مسئلہ۷: اگر کسی نے زکوٰۃ دینے کا وکیل بنایا لیکن اسے زکوٰۃ کی رقم نہیں دی، وکیل نے اپنی طرف سے ادا کی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور ادائیگی پر مالک وکیل کا اتنے پیسوں کا مقروض ہوجائے گا جو بعد میں وصول کرسکتا ہے البتہ اگر کسی نے بغیر حکم و اجازت کے کسی دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی تو ادا نہ ہوگی اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے والا مالک سے رقم کا

مطالبہ کرسکتا ہے۔(البحرالرائق ۲/۲۱۰،ط:سعید)

مسئلہ۸: عام صدقاتِ نافلہ میں خفیہ دینا افضل ہے البتہ زکوٰۃ میں اگر اظہار میں کوئی خاص فائدہ ہے تو لوگوں کے سامنے علی الاعلان دینا افضل ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۷۱،ط:رشیدیہ)

﴿زکوۃ، صدقات، اورعطیات کا بہترین مصرِف﴾

زکوۃ، فطرانہ اور دیگر صدقات وعطیات اگر چہ ہر مسکین کو دینا جائز ہے لیکن اس دورِ پرفتن میں اس کا سب سے اہم اور اولین مصرِف دینی مدارس کے وہ طلبہ ہیں جو قرآنِ کریم کے حفظ اور دوسرے علومِ شرعیہ کی تحصیل وترویج میں شب وروز مصروف ہیں۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہود ونصاریٰ آج پھر قرنِ اول کے منافقین کے منصوبے کو دہراتے ہوئے دینی تعلیمات جو شعائر اللہ اور اسلامی یادگاروں کی بقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، کو ختم کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں منافقین کے منصوبے اور اس کے رد کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے" هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلٰى مَن عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنفَضُّوا وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرضِ وَلٰكِنَّ المُنٰفِقِينَ لَا يَفقَهُونَ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعنَا إِلَى المَدِينَةِ لَيُخرِجَنَّ الأَعَزُّ مِنهَا الأَذَلَّ وَلِلّٰهِ العِزَّةُ وَلِرَسُولِه وَلِلمُؤمِنِينَ وَلٰكِنَّ المُنٰفِقِينَ لَا يَعلَمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلهِكُم أَموَالُكُم وَلَا أَولَادُكُم عَن ذِكرِ اللّٰهِ وَمَن يَّفعَل ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الخٰسِرُونَ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقنَاكُم مِّن قَبلِ أَن يَّأتِيَ أَحَدَكُمُ المَوتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَولَا أَخَّرتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصّٰلِحِينَ وَلَن يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعمَلُونَ .[المنافقون : ۷ تا ۱۱]

ترجمہ : وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں

تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے۔اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزّت والا وہاں سے ذلّت والے کو باہر نکال دے گا۔اور اللہ ہی کی ہے عزّت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ولیکن منافقین جانتے نہیں۔اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں،اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اسکی میعاد آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔ (بیان القرآن)

قارئینِ کرام : منافقین نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آپ ﷺ کے پاس ٹکے ہوئے ہیں اور دین حاصل کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ان کو پیسے دیتے ہو،ان پر خرچ کرتے ہو اگر تم نے پیسہ دینا بند کر دیا تو کھانا نہ ملنے کی وجہ سے یہ خود آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے،جب شاگرد نہ رہیں گے تو آپ ﷺ دین کس کو پڑھائیں گے؟اس طرح اسلامی تعلیمات اور اعمال وغیرہ ختم ہو کر اسلام کا سلسلہ خود بخود منقطع ہو جائے گا۔

آج بھی یہود و نصاریٰ یہی منصوبہ مختلف ہتھکنڈوں سے دہرا رہے ہیں کہ دینی مدارس کے ضروری اخراجات کے لئے فنڈ میسر نہ ہو تا کہ استاذ اور شاگرد کا تعلق ختم ہو جائے پھر نہ کوئی حافظ بنے نہ عالم اور اسی طرح خود بخود اسلام یا تو مٹ جائے گا یا مسلمان صرف نام کے رہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے وقت جواب دیا:وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ.

''اوراللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اورزمین کے ولیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔''

نیز اہلِ ایمان کوحکم دیا: یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تُلْهِکُم أَموَالُکُم وَلَا أَولَادُکُم عَن ذِکرِ اللّٰهِ وَمَن یَّفعَل ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ الخٰسِرُونَ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقنَاکُم مِّن قَبلِ أَن یَّأتِیَ أَحَدَکُمُ المَوت.

''اے ایمان والو! تم کوتمہارے مال اوراولا داللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں، اور جوایسا کرے گا ایسے لوگ نا کام رہنے والے ہیں۔ اورہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو''۔

الحاصل : منافقین کے اس منصوبے کونا کام بنانے کے لئے قرآنِ کریم نے دو باتیں ارشادفرمائی ہیں:

(۱) زمین وآسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں منافقین کے قبضے میں نہیں، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں، دین کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا اوراللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرماتے رہیں گے۔

(۲) ایمان والوں کوحکم دیا گیا کہ منافقین اگرخرچ نہیں کرتے ،توتم دینی تعلیمات کی ترویج اوردوسرے امورِدینیہ پر خوب خرچ کرتے رہو۔

آج یہود ونصاریٰ کے اس منصوبے کونا کام بنانے کے لئے ہم مسلمانوں پر مدارسِ دینیہ کے ضروری اخراجات کو پورا کرنا ترجیحی طور پر لازم ہے، جس کے پورا کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم زکوٰۃ، فطرانہ، صدقات، عطیات اورقربانی کی کھالوں کا سب سے اہم اوراولین مصرف دینی مدارس کوسمجھتے ہوئے اپنی زکوۃ، صدقات وغیرہ مدارس میں جمع کروائیں۔

نیزاس میں ثوابِ صدقہ کے ساتھ ساتھ اشاعتِ علومِ دینیہ کے فریضہ کی ادائیگی بھی ہے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مدارس اسلامیہ کے غریب طلبہ ان کھالوں (فطرانوں، زکوٰۃ، صدقات اورعطیات) کا بہترین مصرف ہیں کہ اس

میں صدقہ کا ثواب بھی ہے (اور) احیائے علم دین کی خدمت بھی (جواہر الفقہ ۴۵۲/۱)

نیز دیندار اور نیک مسلمانوں پر شرعاً یہ بھی لازم ہے کہ دوسرے اہلِ ثروت احباب کو بھی اس کی ترغیب دیں تا کہ وہ بھی اپنے اموال کو اس اہم مصرِف میں صَرف کریں۔

بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں مساکین کو کھلانے کی ترغیب آئی ہے اور متعدد آیات میں اہلِ ایمان کو اس ترغیب کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور پورا کرنے پر اجرِ عظیم کی بشارت اور کوتاہی پر شدید وعیدیں سنائی گئی ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ مساکین کو کھلانے کی اہلِ خیر حضرات کو ترغیب دیں تا کہ بشارت کے مستحق بنیں اور وعیدوں سے بچیں۔

اجرِ عظیم کی بشارت اور وعدہ : لَا خَيرَ فِي كَثِيرٍ مِن نَجوٰهُم إِلَّا مَن أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَو مَعرُوفٍ أَو إِصلَاحٍ بَينَ النَّاسِ وَمَن يَّفعَل ذٰلِكَ ابتِغَاءَ مَرضَاتِ اللّٰهِ فَسَوفَ نُؤتِيهِ أَجرًا عَظِيمًا [النساء : ۱۱۴]

''عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور مشوروں میں خیر یعنی ثواب اور برکت نہیں ہوتی (یعنی لوگوں کے باہمی مشورے اور تدبیریں جو آخرت کی فکر اور انجام پر غور سے آزاد ہو کر محض چندروزہ دنیوی اور وقتی منافع کے لئے ہوا کرتے ہیں ان میں کوئی خیر نہیں ''معارف القرآن'') ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ اور خیر خیرات یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے اور مفاہمت کی ترغیب دیتے ہیں (یعنی اس تعلیم وترغیب کی تکمیل وانتظام کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں یا خود ہی صدقہ وغیرہ کی دوسروں کو خفیہ ترغیب دیتے ہیں کیونکہ بعض اوقات خفیہ ہی کہنا مصلحت ہوتا ہے، ان کے مشوروں میں البتہ خیر یعنی ثواب اور برکت ہے) اور جو شخص یہ کام کرے گا (یعنی ان اعمال کی ترغیب دے گا) حق تعالیٰ شانہ کی رضا جوئی کے واسطے (نہ کہ ریاء و شہرت کی غرض سے) سو ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم عطا فرماویں گے (بیان القرآن ۴۳۰/۱)

وعیدات : (۱) قیامت کے دن جن بدنصیبوں کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے

گا اوران کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینکا جائے گا، اِس عذاب کے قرآن کریم نے دو سبب بتائے ہیں : (الف) اللہ پر ایمان نہ لانا (ب) مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا

وَ أَمَّا مَنْ أُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ أُوْتَ کِتَابِیَهْ. وَ لَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ. یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ. مَا أَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ. هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ. خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ. ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ. ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ. اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ. وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ.[الحاقة: ۲۵ تا ۳۴]

’’اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جاویگا، سو وہ کہے گا، کیا اچھا ہوتا! کہ مجھ کو میرا نامۂ عمل ہی نہ ملتا، اور مجھ کو یہ ہی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کر چکتی، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ (ومنصب وعہدہ) مجھ سے گیا گزرا۔ (پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑ واور اس کے طوق پہنا دو، پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر گز ہے، اس کو جکڑ دو۔ یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور غریب (اور مسکین) آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا‘‘ (بیان القرآن ۳/۵۷۶)

(۲) قیامت کو جھٹلانے والوں کی بڑی علامتیں دو ہیں:

(الف) یتیموں کو دھکے دینا (ب) مساکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا

أَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بَالدِّیْنِ. فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ. وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ. [الماعون : ۱، ۲، ۳]

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے۔ سو وہ، وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج (اور مسکین) کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا‘‘ (بیان القرآن ۳/ ۶۶۷)

(۳) دنیا میں انسانوں کی ذلت ورسوائی کے چار اسباب قرآن کریم میں مذکور ہیں، دو کرنے کے کام ہیں پر لوگ کرتے نہیں اور دو نہ کرنے کے کام ہیں لیکن وہ ضرور کرتے ہیں:

(۱) یتیم کا اکرام نہیں کرتے جبکہ یہ کرنے کا کام ہے۔

(۲) مساکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے جب کہ ان کے ذمہ یہ ترغیب دینا لازم ہے۔

(۳) پوری میراث پر قبضہ کرتے ہیں جب کہ ان کے ذمہ میراث کو تمام ورثہ پر تقسیم کرنا ہے۔

(۴) مال سے بے انتہاء محبت کرتے ہیں جبکہ ان کے ذمہ لازم تھا کہ اس سے اشد محبت نہ کرتے

فَأَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ أَكْرَمَنِ. وَأَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ أَهَانَنِ. كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ. وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ. وَ تَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا. وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا.

[الفجر: ۱۵ تا ۲۰]

’’سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو اکرام، انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی۔ اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی، ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے۔ اور میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو‘‘ (بیان القرآن ۳/ ۶۳۹)

البتہ ان پیشہ ور بھکاریوں کو دینا اور کھلانا جو ہوٹلوں کے سامنے اور مزاروں پر چرس، بھنگ اور ہیروئین پی کر بیٹھے ہوتے ہیں، یا مساجد کے دروازوں، سڑکوں، چوراہوں اور بسوں کے اڈوں وغیرہ پر مانگتے پھرتے ہیں، حرام ہے۔ لینے، دینے والے دونوں گناہ گار ہیں۔

نیز ماہِ رمضان میں کئی کھاتے پیتے لوگ زکوۃ اکھٹی کرنے کے لئے محلوں اور گھروں میں پھرتے ہیں اور اپنی بناوٹی حاجتیں ظاہر کر کے زکوۃ، فطرانہ وغیرہ کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کا حکم بھی یہی ہے کہ نہ ان کے لئے مانگنا جائز ہے اور نہ ہی ان کو دینا جائز ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

﴿بھیک مانگنا اور دینا حرام ہے﴾

اسلام میں بھیک مانگنے کا پیشہ نہیں، بھیک مانگنے کو پیشہ بنانا گناہِ کبیرہ ہے ایسے لوگوں کے لیے شدید وعیدیں آئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) یہ لوگ جہنم کے انگارے جمع کر رہے ہیں، زیادہ بھیک ملی تو زیادہ انگارے جمع کر لیے، کم ملی تو کم جمع کیئے۔

(۲) قیامت کے دن ان بھکاریوں کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا، ہڈی ہی ہڈی ہوگی۔

(۳) ان کی کمائی میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

(۴) ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی عذاب ہوتا ہے کہ ہمیشہ محتاج ہی رہتے ہیں بے شک کتنی ہی زیادہ بھیک مل جائے، ہمیشہ مانگتے ہی رہتے ہیں۔

(۵) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مانگنے والے یا دوسرے لوگوں سے شرم وحیاء کی بنا پر اگر دیا تو یہ حرام ہے، جس کا لینے والے پر واپس کرنا لازم ہے''

آج کل بھیک مانگنے والے حرام خوروں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی حیلہ سے اس کو پھنسا کر پیسہ وصول کریں۔

(۶) ابونصر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اگر یہ لوگ مسجد میں بھیک مانگنے لگیں تو جو شخص ان کو مسجد سے بھگا کر نکال دے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجاہد کی بخشش کر دے''

(۷) خلف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو شخص مسجد میں بھکاری کو کچھ دیتا ہے میرے نزدیک یہ دینے والا بھی اتنا ہی بڑا مجرم ہے کہ اگر میں قاضی ہوتا تو اس کی شہادت قبول نہ کرتا''

(۸) بعض علماء فرماتے ہیں: ''مسجد میں بھکاری کو ایک پیسہ دینے والا بعد میں اس گناہ کے کفارہ کے طور پر چالیس پیسہ صدقہ کر دے تو بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا''

الحاصل: ان پیشہ ور بھکاریوں کا مانگنا اور دوسروں کا ان کو دینا دونوں حرام ہیں اور لینے

دینے والے دونوں گناہ گار ہیں۔

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله ﷺ :من سأل الناس أموالهم تکثراً، فانما یسأل جمراً، فلیستقل أو یستکثر (رواه مسلم)

عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالی عنهما قال : قال رسول الله ﷺ : ما یزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم (رواه البخاری و مسلم، مشکوة : ۱۶۲)

عن معاویة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله ﷺ : لا تلحفوا فی المسألة ، فوالله لا یسألنی أحد منکم شیئاً، فتخرج له مسألته منی شیئاً و أنا له کاره، فیبارک له فیما أعطیته (رواه مسلم، مشکوة : ۱۶۲)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالی : قال الغزالی رحمه الله تعالی : من أخذ شیئاً مع العلم بأن باعث المعطی الحیاء منه أو من الحاضرین، و لو لا ذلک لما أعطاه، فهو حرام اجماعاً، و یلزمه رده أو رد بدله الیه أو الی ورثته.

قال النووی رحمه الله تعالی (فی شرحه) : اتفق العلماء علی النهی عن السؤال لغیر ضرورة، و اختلف أصحابنا فی مسألة القادر علی الکسب علی وجهین : أصحها أنها حرام لظاهر الأحادیث، و الثانی حلال مع الکراهة بثلاثة الشروط : أن لا یزل نفسه ، و لا یلح فی السؤال ، و لا یکلف بالمسؤول ، فان فقد أحد الشروط فحرام بالاتفاق(مرقات ۴ / ۳۴۹)

قال الامام القاضی خان رحمه الله تعالی : رجل یتصدق علی السؤال فی المسجد الجامع، قال أبو نصر العیاضی رحمه الله تعالی : من أخرجهم عن المسجد أرجوا أن یغفر الله تعالی له باخراجهم عن المسجد. و قال بعض العلماء رحمهم الله تعالی : من تصدق بفلس فی المسجد یوم الجمعة، ثم تصدق بعد ذلک بأربعین فلساً لم یکن کفارة ذلک الفلس الواحد. و عن خلف رحمه الله تعالی، أنه قال : لو کنت قاضیاً لا أقبل شهادة من تصدق علی السؤال فی المسجد الجامع (الخانیة ۳ / ۴۳۱)

﴿عیدین کی نماز اور مسبوق کے مسائل﴾

نماز کا طریقہ : نیت کر کے ہاتھ باندھ لیں اور ثناء پڑھ کر قرأۃ شروع کرنے سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور ہر مرتبہ مثلاً تکبیر اول کے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکا دیں اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر تک وقفہ کریں کہ تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلی** کہہ سکیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائیں بلکہ باندھ لیں اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ کر حسبِ دستور رکوع، سجدہ کر کے کھڑے ہو جائیں اور دوسری رکعت میں پہلے کی طرح سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لیں اور اس کے بعد تین تکبیریں پہلی رکعت کی طرح کہیں لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھیں بلکہ لٹکائے رکھیں اور تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں۔

(امور متفرقہ فی طحاوی، طبرانی، مصنف ابن عبدالرزاق، مسند احمد، ابوداؤد، مصنف ابن ابی شیبہ، مراقی الفلاح وشامیہ)

مسئلہ ۱: نماز کے بعد امام دو خطبے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے۔

(ابن ماجہ ۹۲، بخاری ۱/۱۳۱، مسلم ۱/۲۸۹)

مسئلہ ۲: عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو بھی دونوں نمازیں پڑھی جائیں گی، نیز دونوں میں **سبح اسم ربک الاعلی** اور **ھل اتاک حدیث الغاشیۃ** پڑھنا افضل ہے۔ (مسلم ۱/۸۸)

مسئلہ ۳: جہاں عید کی نماز پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے نماز سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، ہاں بعد نماز عید کے گھر میں آ کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور نماز عید سے پہلے گھر اور عیدگاہ دونوں میں مکروہ ہے۔ (بخاری ۱/۱۳۵، مسلم ۱/۲۹۱، ابن ماجہ ۹۳)

مسئلہ ٤: اگر کوئی شخص عید کی نماز میں ایسے وقت آ کر شریک ہوا کہ امام تکبیروں سے فارغ ہو چکا تھا تو اگر قیام میں آ کر شریک ہوا ہے تو فوراً نیت باندھنے کے بعد تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام قرأت شروع کر چکا ہو اور اگر رکوع میں آ کر شریک ہوا ہے تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں سے فراغت کے بعد امام رکوع میں مل جائے گا تو زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں جائے اگر رکوع نہ ملنے کا

خوف ہے تو رکوع میں شریک ہو جائے اور حالتِ رکوع میں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہہ لے مگر حالتِ رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر قبل اس کے کہ پوری تکبیریں کہہ چکے امام رکوع سے سر اٹھالے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس سے معاف ہیں۔(الشامیۃ۳/٦٤، ٦٥، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ٥: اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں گزر جائے تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے تو پہلے قرأت کرے اس کے بعد تکبیر کہے اگر چہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہئے تھا لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے در پے ہو جاتی ہیں اور یہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے۔(الشامیۃ۳/٦٤، ٦٥، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ٦: اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے تو اس کو چاہئے کہ حالت رکوع میں تکبیر کہہ لے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ جائے تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ہر حال میں بوجہ کثرت ازدحام کے سجدہ سہو نہ کرے۔(الفتاویٰ الہندیۃ۱/۱۵۱، ط: رشیدیہ)

مسئلہ ٧: عید کی نماز کے لئے اذان واقامت نہیں۔(رواہ مسلم، مشکوۃ ۱۲۵)

نمازِ عید اور زائد تکبیریں

نمازِ عید میں زائد تکبیریں صرف چھ ہیں، تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔

دلیل نمبر ۱: قاسم ابو عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو عید کی نماز پڑھائی تو (بشمول تکبیرِ رکوع کے) چار چار تکبیریں کہیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ جنازے کی تکبیروں کی طرح ہیں اسے نہ بھولو اور انگوٹھا بند کر کے چار انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

تنبیہ : یہ حدیث مقبول اور صالح للاحتجاج ہے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں: **فهذا حديث حسن الاسناد وعبد الله ابن يوسف ويحيى بن حمزة والوضين والقاسم كلهم اهل رواية معروفون بصحة الرواية**(معانی الآثار ۳/۱۷۳)

دلیل نمبر۲: حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی نماز کا یہی طریقہ روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ ۱۲۶، مسند احمد ۴/۴۱۶، ابوداؤد ا/۱۶۳، طحاوی ۲/۲۳۹، بحوالہ رسائل ۷۷ حصہ چہارم)

دلیل نمبر ۳ : اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم: خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں نمازِ جنازہ کی تکبیرات میں اختلاف کو رفع کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلیفہ راشد کی سرپرستی میں متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ تکبیراتِ جنازہ تعداد میں تکبیراتِ عیدین کی طرح ہونگی یعنی جس طرح عیدین میں (بشمول تکبیرِ رکوع) ایک رکعت میں چار تکبیریں ہیں اسی طرح جنازے میں بھی چار تکبیریں ہونگی (شرح معانی الآثار ۱/۳۱۹)

سندِ اجماع: اس اجماعِ صحابہ کی سند کے تمام راوی ثقہ اور مقبول ہیں۔

(۱) **فهد كان ثقة** (حاشية شرح معانى الآثار ۱/۱۱)

(۲) **على بن معبد فكبير ثقة** (ميزان الاعتدال ۳/۱۵۷)

(۳) **عبيد الله بن عمرو ثقة فقيه** (حاشية شرح معانى الآثار ۱/۱۳۹)

(۴) **زيد بن ابى انيسة ثقة** (حاشية الطحاوى ۱/۱۰۱)

(۵) **حماد و ابراهيم اظهر من الشمس**(كمالا يخفى على من له المعرفة بالرجال)

دلیل نمبر ٤ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں حضرت حذیفہ و ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں فرمایا کہ (نمازِ عید کا طریقہ یہ ہے کہ) چار تکبیریں (بشمول تکبیرِ تحریم) کہہ کر قرأت کریں پھر

تکبیر اور رکوع کریں، دوسری رکعت میں قرأت کے بعد (بشمول تکبیرِ رکوع) چار تکبیریں کہیں

(آثار السنن ۳۱۵) **قال النیموی رحمه الله تعالیٰ اسناده صحیح.**

سوال : ان احادیث کے خلاف جن حدیثوں میں بارہ زائد تکبیرات کا ذکر ہے ان کی کیا حقیقت ہے؟

جواب : محدثین حضرات ان کے دو جواب دیتے ہیں۔

(۱) یہ ان روایات کے مقابلے میں کمزور ہیں جن میں صرف چھ زائد تکبیروں کا ذکر ہے۔

محدثِ کبیر امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ چھ زائد تکبیروں کی روایات کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: **کلهم اهل رواية معروفون بصحة الرواية ليس كمن روينا عنه الآثار الاول فان كان هذا الباب من طريق صحة الاسناد يؤخذ فان هذا اولىٰ ان يؤخذبه.** (شرح معانی الآثار ۲/۱۷۳)

(۲) بارہ زائد تکبیروں والی روایات منسوخ ہیں، دلیلِ نسخ یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہو جائے تو اس کے خلاف احادیث منسوخ سمجھی جاتی ہیں اگرچہ ان کے نقل کرنے والے بھی خود یہی صحابہ کرام ہی ہوں جیسے جنازہ میں چار تکبیروں کی تعیین اور حدِ خمر میں توقیت اور ترکِ بیع امہات الاولاد، ان حضرات کے اتفاق واجماع سے ثابت ہے اور روایاتِ مختلفہ منسوخ ہیں۔

قال الامام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ وما فعلوه من ذلک واجمعوا عليه بعد النبی ﷺ فهو ناسخ لما قد كان فعله النبی ﷺ (شرح معانی الاثار ۱/۳۱۹)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو آپ ﷺ اور **رضی الله عنهم و رضوا عنه** کا خطاب پانے والے نفوسِ مطہرہ کی پیروی کی توفیق عطاء فرمائیں۔

سوالاتِ منتظرہ : جو لوگ نہ مجتہد ہیں اور نہ ہی کسی مجمع علیہ مجتہد کے مقلد بلکہ

آوارہ اور لامذہب ہیں ان سے صرف تین سوال

(۱) نمازِ عید کی زائد تکبیروں میں رفعِ یدین فرض ہے یا سنت؟ جواب صحیح، صریح، غیر معارض، مرفوع حدیث سے حدیث سے دینا آپ کا فرضِ منصبی ہے، تکبیراتِ نماز پر قیاس کر کے شیطان بننے کی ضرورت نہیں۔

(۲) نمازِ عید میں خواتین کا بلند آواز سے آمین نہ کہنا اور مردوں کا کہنا، یہ فرق اگر حدیث میں ہے تو بتائیں، استنباط اور قیاس کی اجازت نہیں۔

(۳) عید میں اشتہارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے خواتین کو نہایت اہتمام کے ساتھ عید گاہ میں لانا جبکہ پنج وقتہ فرض نمازوں میں یہ اہتمام نظر نہیں آتا، دونوں میں فرق جس حدیث سے ثابت ہے اس کا حوالہ ضروری ہے۔